

The Drinched Book

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222437

UNIVERSAL
LIBRARY

سلسلہ ادبیات
جامعہ اصلاحیہ عثمانیہ الہ آباد کا

پہلا نمبر

خیابانِ ترنم

۱۳۵۴ھ

از
حضرت شہیر محبلی شہری

سلسلہ ادبیات
جامعہ اصلاحیہ عثمانیہ الہ آباد

خیابانِ ترم

س ۱۲۵۴ھ

اشراکامہ

سرکردہ سخنوران - سرآمد مکتبہ پروان خاقانی مرتبت - نظیری نظیر
دیر پیمثال - سحر بیاں - جادو تقریر - یک تار میدان فصاحت
شہسوارِ مضار بلاغت (خان صاحب) جناب مولوی
سید محمد نوح صاحب شہیر مرحوم مچھلی شہری
مرتبہ

جناب سید فتح حسین نقوی سرور جانشین حضرت شہیر مرحوم

جناب مولانا الحاج شاہ ابوالحسن محمد مظفر حیدری "فاضل" غازی پوری
تلمیذ رشید حضرت شہیر علی اللہ مقامہ
بہ تحریک

نواب زادہ محمد خلیل اللہ ابن ایس جنگ بہادر

با اہتمام عظیم رمضان علی صاحب

در مطبع اسرار کریمی الہ آباد طبع شد

قیمت دو روپیہ

۱۹۳۶ء

جماعہ حقوق محفوظ

قطعہ تاریخ

نتیجہ فکر بلند امتیاز الشعرا جناب مولوی سید محمد جعفر صاحب
قدسی جاشی

شہیر خوش بیان کا ہے یہ دیواں	ہے اس کا صفحہ صفحہ گل بداماں
برنگ مہر یہ پر تو فشاں ہے	نظیر اسکی زمانے میں کہاں ہے
شہیر خوش بیان استاد فن تھے	امیر کشور شعر و سخن تھے
سخن سنجی میں تھے مشہور آفاق	غزل ہو یا قصیدہ سب میں شائق
یہ مجموعہ بڑی جانکاہیوں سے	کیا شائع جناب حمید می نے
جلایا خوب نام استاد فن کا	جزاۃ اللہ فی الدارین خیرا
نیا میں غیرت شمع فروزاں	ہے تقریظ جناب سرسلیمان

اگر پوچھے کوئی تاریخ اس کی
”خیابانِ ترقی“ کہ دو قدسی

عالیجناب نزیل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان کے، ٹی ایم کے، ال، ال، ڈی بیرسٹریٹ لاجیف جسٹس ہائیکورٹ الہ آباد کی واجب التعظیم تقریظ

(خافضاحب) جناب مولوی سید محمد نوح صاحب شہیر مرحوم رئیس
 بصلی شہر ضلع جونپور، علم ادب کے ماہر اور اپنے معاصرین میں خاص امتیاز رکھتے
 تھے۔ غزل، قصیدہ، رباعی، مثنوی وغیرہ تمام اصناف سخن پر آپ کو کیسا قدرت
 حاصل تھی اور ہر صنف میں آپ کا کلام، اہل ذوق کے دل پر اپنے سگے جٹھا چکا
 ہے۔ آپ ایک کامل الفن شاعر، اور با اقتدار رئیس ہونے کے باوجود، نہایت
 منکسر مزاج، نیک اور خلیق تھے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی ہستی، ہر حیثیت
 سے، قابل قدر تھی، مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ کا کلام شائع ہو رہا ہے،
 خدا کرے کہ اس کو مقبولیت عام حاصل ہو۔

خاکسار

شاہ محمد سلیمان عفا عنہ
 الہ آباد

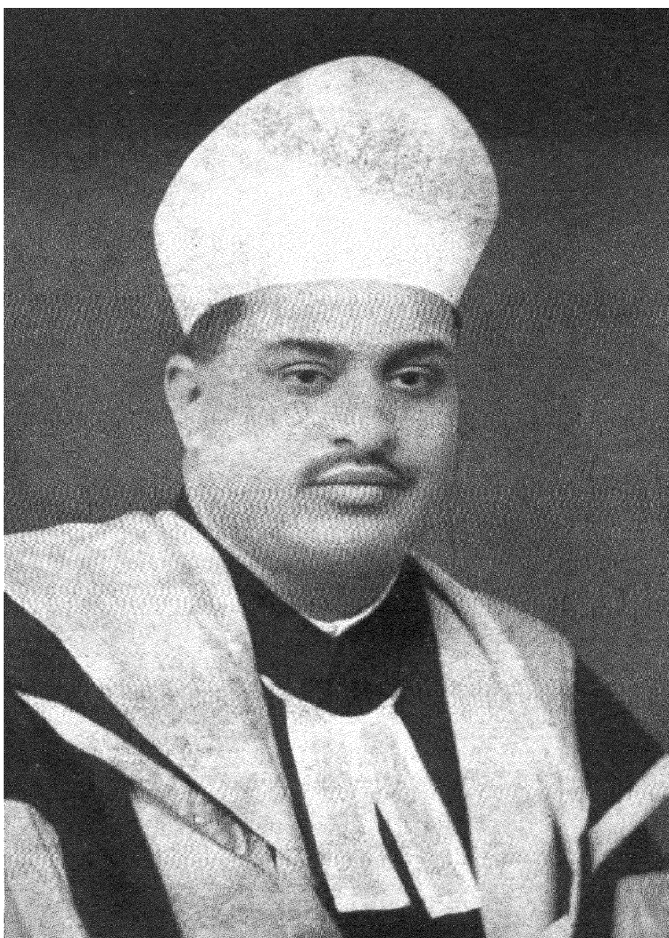
۲ مارچ ۱۹۳۶ء

تہذیب

میں اپنے استاد معظم حضرت شہیر مرحوم کے گراں قدر
جواہر ریزوں کو عالی جناب مستغنی عن الالقاب الحساج
ڈاکٹر نواب محمد اللہ ابن ایس جنگ بہادر ایم، اے، ال،
ال، ڈی بیرسٹر ایٹ لاء، ناظم (شش جج) صوبہ اوزبک آباد
دکن زاد اللہ اقبالہ و اجلالہ کے اسم گرامی سے
معتون کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔

ناچیسر

حمید ری



عالمِ پنجاب الحاج ڈاکٹر تواب محمد اللہ ابن ایس جنگ بہادر
 ام، اے، ال، ڈی۔ بیرسٹریٹ لاناظم (شش جج)
 صوبہ اورنگ آباد دکن

منظور ہے گزارش احوال واقعی

دلی تمنا تھی کہ استاد معظم حضرت شہیر مرحوم کے بے با جاوہر پارے ایک دیوان کی صورت میں ارباب نظر کے سامنے پیش کئے جائیں۔ لیکن کمزور بات زمانہ میرے اقدام عمل میں سنگ راہ ہوتے رہے۔ احباب کا اصرار ہوتا رہا اور میں امروز فردا پر محول کرتا رہا لیکن یہ محسوس کر کے کہ عالم رنگ و بو کے تنیلات سے یکسوئی حاصل ہونے کی امید کرنا خواب و خیال ہے۔ خدا کا نام لے کے ترتیب و اشاعت کی طرف توجہ ہونا پڑا۔

حضرت شہیر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، دنیا کے ادب کا بچہ بچہ آپ کی مشہور و معروف ہستی سے واقف اور زبان اردو صحیح معنوں میں آپ کی رہین منت ہے۔ آپ کے سوانح حیات پر چنداں روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں محترمی جناب براور سید اختر سین صاحب سرودش جانشین حضرت شہیر نے تبصرہ کیا ہے لیکن یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ قدرت کی جانب سے آپ کو ایسا حساس و دردمند دل عطا ہوا تھا جس کی ضیا باریوں نے آپ کو حقیقی طور سے شاعر تکلف کی

صف سے خارج کر کے، شاعر مطبوع کے زمرہ میں داخل کر دیا۔ دور اولیں و آخریں کے اشعار نذر تغافل ہو چکے۔ ایک مرتب و منظم دیوان، حضرت شہیر کی زندگی ہی میں ضائع ہو چکا، جس سے آپ اور آپ کے احباب خاص سجد متاسف تھے۔ چنانچہ حضرت امیر مینائی مرحوم کے صحیفہ ذیل سے، اس کا کافی ثبوت ملتا ہے۔

نمبر ۱۶۵

۱۹ اپریل ۱۸۹۷ء

دلتوا امیر میر حضرت شہیر سلمکم اللہ القدیر

سلام مسنون۔ اخلاص مشحون۔ شدائد مرض۔ عسر بول و عیس بول سے اوقات میں سخت احتلال ہے ضعف پیرانہ سالی کو خستہ حالی نے اور قوت دے رکھی ہے۔ یہی سبب ہے کہ احباب سے بھی رسم و راہ خط و کتابت ترک ہو گئی ہے۔ آپ کی نعمت اور عنایت کا خیال تو اکثر رہتا ہے۔ مگر خط لکھنے کا اتفاق مدت سے نہیں ہوا آج محمد احمد سے آپ کی فیرو عافیت سن کر مجھے ایسا قلق ہوا کہ اسکے بیان کو لفظ نہیں ملتے۔ خدا جانے کس بیدرو نے یہ ظلم کیا اتنے بڑے دیوان کا چوری جانا سمجھ میں نہیں آتا۔ کچھ تفصیل تو لکھئے یہ کیا غصہ ہوا۔ آپ سے نامور شاعر کا کلام کسی دوسرے کے کام کیہ کر سکتا ہے یہ بھی لکھئے کہ خدا نخواستہ اس کلام کے مٹنے سے یاس ہو گئی ہے یا احتمال باقی ہے اور در صورت نہ مٹنے کے کچھ مسودات ایسے ہیں جن سے پھر ترتیب تعین ہو سکے یا نہیں؟ خدا کرے وہی دیوان مل جائے ورنہ آپ ہرگز ہمت نہ مارے اور مسودات سے جہد ممکن ہو پھر جمع کر لیجئے ایسے ریزہ ریزہ جواہر کا تلف ہو جانا۔ آپ کے احباب پر نہایت شاق ہے میرا دل تو

یہ خبر سنا کر ہنسٹا ہوا کہ اس وقت کیا لکھوں۔ یہ چند طریقی طبیعت پر جبر کر کے لکھی ہیں میری کوتاہ قلمی پر نظر نہ فرما کر کبھی کبھی مجھے اپنی خیر و عافیت اور صحت و سلامت سے مسرور کیا کیجئے تو کمال احسان ہے۔ مکملہ التماس یہ ہے کہ غدر میں میرا بھی کلام جس قدر اس زمانہ تک مرتب ہوا تھا اور میں نے اسکو خوشنویس سے لکھوا کر مطلقاً اور مذہب کرایا تھا سب تلف ہو گیا۔ مگر کچھ اپنی یاد سے کام لیا اور کچھ پھر موزوں کیا کہ مرآۃ الغیب کی صورت بنی۔ اگرچہ ہزار ہا شعر یاد نہ آئے اس لکھنے سے غرض یہ ہے کہ آپ بھی بالکل اس دیوان سے قطع نظر نفرمائیں اور کوشش کریں کہ کچھ یادگار باقی رہے۔

”آپ کا منت پذیر حسرت خمیر و یاس تصویر امیر فقیر“
حضرت شہیر اسی نظریہ کے تابع اور اسی لائحہ عمل کے پیرو تھے جس کا سنگ بنیاد ناسخ نے رکھا تھا اہل علم و زبان کی حیثیت سے آپ کا شمار تیسرے درجہ میں کیا جاسکتا ہے، اسلئے کہ آپ جناب متیر مرحوم کے ارشد تلامذہ میں تھے اور حضرت منیر کو ناسخ سے فقر تلمذ حاصل تھا آپ کے اشعار پر اک سہری نظر ڈالنے سے یہ امر واضح و منکشف ہو جاتا ہے کہ آپ حقیقی طور سے فیض منیر سے مستفید ہوئے۔ خود حضرت شہیر فرماتے ہیں ۵

بعد از ناسخ و منیر شہیر یادگار گزشتہ گان میں ہم
شاغری ایک فطری شے ہے اگر انسان قدرت کی جانب سے شاعرانہ دل و دماغ لیکر
آیا ہے تو اسکے جذبات محدود نہیں رہ سکتے وہ اپنے احساسات، نظم کی صورت میں ظاہر
کرنے پر مجبور ہے، جس طرح ایک اُبتا ہوا چشمہ، کسی رکاوٹ سے نہیں رکتا، وہی کیفیت

ایک شاعر کی ہے جب اسکے شاعرانہ خیالات میں جزر و مد ہوتا ہے تو وہ شعر کی ہیئت اختیار کرتا ہے۔ حضرت شہیر کو خلاق ازل نے ایک ایسا دل عطا فرمایا تھا جس میں احساسات و جذبات کی دنیا آباد تھی آپ کو خوش نصیبی سے ایک ایسا رہبر کامل مل گیا جس نے آپ کی شخصیت میں چار چاند لگا دئے اور آپ کو مکمل شاعر بنا دیا۔ اصنافِ سخن کے ہر نوع پر خامہ فرسائی و طبع آزمائی تو آسان ہے لیکن ہر صنف کو بہترین صورت میں پیش کرنا بہت دشوار ہے۔ جناب شہیر کی شخصیت اس معاملہ میں بھی اپنے معاصرین میں طرہ امتیاز رکھتی ہے، آپ نے ہر نوع کے طرف توجہ فرمائی اور کما حقہ اُسے انجام دیا۔ غزل میں تمام وہ شرائط مد نظر رکھے جو ایک غزل گو شاعر کے لئے ضروری ہیں۔ قصائد و نظم و رباعیات و مسدس و مثنوی غرض کہ ہر صنف سخن میں آپ نے کمال شاعری کے بہترین نمونے پیش کئے ہیں۔

غزل

لفظ غزل کو جس مفہوم کیلئے وضع کیا گیا تھا، اُس معنی و وضعی کے ساتھ اب اس کی تخصیص نہیں رہی بلکہ اس کی وسعت نے، تصوف، اخلاق، مواعظ وغیرہ کو بھی اپنے دامن میں لے لیا ہے، غزل کی اصلاح، تمام اصنافِ سخن سے زیادہ اہم ہے اس لئے اسکا اثر قومی مذاق اور قومی اخلاق پر جسطورہ بھی ہو کم ہے، ہر شخص اپنے ذوق کے موافق لطف اندوز ہوتا ہے۔ غزل کی بنا چونکہ حقیقتاً عشقیہ مضامین پر رکھی گئی ہے اس لئے اگر عشق و محبت کی چاشنی نہ دی جائے تو آج کل اسکا مقبول ہونا دشوار ہے بایں وجہ عشقیہ مضامین کے لئے ایسی جامع لفظیں ضروری ہیں، جو محبت کے تمام

تعلقات مادی اور روحانی پر غالب ہوں اور حتی الامکان ایسے الفاظ سے احتراز کیا جائے جن سے کلام میں سقم و رکاکت پیدا ہونے کا شبہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ غزل کو مطالب و مضامین کے لحاظ سے جس قدر وسعت دیکھائے مسدوح ہے۔ لیکن مفهوم شعر کا لفظوں کے گورکھ و ندرے میں پھینک کر جاننا، شاعر کے دامن کمال پر نقص کا بدنامہ صبیہ لگاتا ہے۔ سادہ اور عام فہم الفاظ کا استعمال ضروری ہے تاکہ سامع کا ذہن فوراً اصل مفہوم کی طرف راجع ہو جائے الفاظ جس قدر عام فہم ہونگے اسی قدر شعر میں کیفیت ہوگی ایسے غریب الفاظ استعمال کرنا جس سے کان آشنا نہیں ہیں، کسی طرح ممدوح نہیں، آسان اور سادہ لفظیں جو شاعر کے جذبات کی آئینہ ہوتی ہیں ان سے آمد کا اظہار ہوتا ہے۔ جذبات کو لفظوں کا پابند بنانا آور دکھاتا ہے۔ آسان لفظوں کیساتھ محاورہ و روزمرہ کی پابندی بھی غزل کے لئے ضروری ہے۔ اگر محاورہ و روزمرہ کی لطافت بھی شعر میں موجود ہوگی تو شعر بند تر ہو جائیگا۔ جناب شہیران تمام خصوصیات مذکورہ کے فی الحقیقت حامل تھے۔ آپ کے بے تکلف اشعار، آورو کے دائرے سے بالکل خارج ہیں آپ ایسے الفاظ کبھی نہیں استعمال کرتے تھے جس سے مفہوم شعر مغلق و مبہم ہو جائے بلکہ ہمیشہ سادہ اور آسان لفظیں اور ان کے ساتھ محاورہ اور روزمرہ استعمال فرماتے تھے سخت سے سخت مضامین، اہم سے اہم امور وہ نہایت سنجیدگی سے ادا فرماتے تھے۔ فلسفہ کے اہم مسائل، تصوف کی حقیقی تصویر، اخلاقیات کا

بہترین مظاہرہ، عشق و محبت کی دلچسپ داستان، بیخ و غم کا پرمحسرت مرقع، تاشکی پر لطف کیفیت، سوز و گداز کی دلہرہ حالت، جس عنوان سے، حضرت شہیر نے پیش فرمائی ہے اس کا کیا کہنا، صنائع لفظیہ و معنویہ کا لحاظ، معنی آفرینی و دشوار پسندی، تخیل و محاکات، قواعد کی پابندی یہ سب چیزیں عام طریقہ سے ان کے کلام میں پائی جاتی ہیں، آپ نے اکثر و بیشتر ان زمینوں میں طبع آزمائی فرمائی ہے جن پر کہ ہندوستان کے مایہ ناز شعرا و ادعنا لے چکے ہیں اور کوئی گوشہ ایسا نہیں بچا ہے جسے وہ نظر انداز کر گئے ہوں لیکن حضرت شہیر کی شاعرانہ فطری طاقت نے کچھ ایسے لطیف گوشے پیدا کر دیے کہ جن سے موصوف کے کمال شاعری کا بین ثبوت ملتا ہے۔ ہم اس مقام پر ایجاز و اختصار کے ساتھ چند اشعار شستے نمونہ از خروارے پیش کرتے ہیں جو تمام محاسن شعر کے فی الواقع حامل ہیں۔

اعتبار عمر فانی کچھ نہیں	کچھ نہیں دنیاے فانی کچھ نہیں
وقت پیری زندگانی کچھ نہیں	زندگانی بے جوانی کچھ نہیں
آنسوؤں سے کیا بچے دل کی لگی	آگ کے آگے یہ پانی کچھ نہیں
سُن کے وہ افسانہ الفت مرا	بو لے یہ جھوٹی کہانی کچھ نہیں
بے بقا ہے عالم ناپائیدار	کچھ نہیں دنیاے فانی کچھ نہیں
خشک ہے بے اشک کشت آرزو	سو کھتا ہے دھان پانی کچھ نہیں
لے باغبان شوق اسیری ہے اہل قدر	خود بلبلوں کو رہتی ہے صیاد کی تلاش

سونقش خود جو ایک تصویر میں کھینچ لے
 پھر اسکو کیا ہومانی و مہزاد کی تلاش
 ہو سکنے کو یوں آپ سے کیا ہو نہیں سکتا
 ہو لا کھ مگر عہد وفا ہو نہیں سکتا
 کیوں قتل کے اقرار میں ہے مکتومال
 کیا عہد وفا ہے کہ وفا ہو نہیں سکتا
 قاتل سے جو بجائے وہ قاتل ہے کدل ہے
 یہ دشمن جاں دوست مرا ہو نہیں سکتا
 کیوں پھر مجھ لے عیسیٰ دوران بیٹھ لیا
 کیا درد مرا قابل درماں نہیں دیکھا
 رستہ نہ ملا اسکو بیابان جنوں کا
 جس نے کہ مرا چاک گریبان نہیں دیکھا
 مرنے والے کے نام کا خط تھا
 اس کے بازو سے جب کھلا تعویذ
 شام غم آتے ہی مجھ سے کہتے ہیں مجھے نصیب
 نیند آئے یا نہ آئے تم کو ہم سوتے ہیں آج
 دل کی چوٹیں داغ بن کر نمایاں ہو گئیں
 جو جگر میں رہ گئیں وہ درد نہاں ہو گئیں
 شاخماں گل تیں گھر کر یہ گئی بلیل اسیر
 ٹھالیاں ہر سمت سے دیوار ندان ہو گئیں
 وہ امیدیں کیا اٹھاتیں سر دل مایوس میں
 چار بوندیں تھیں سو کی دل جگر کی کائنات
 قید آب و گل سے دنیا میں نہ چھوڑے تائیت
 میں تو دونوں طرح منت کش تیرے ہوتا
 اگر آگ کے جلے کی نہ دوا بھی آگ ہوتی
 وہی ماں نظر نظر تھی مے دل سے جو گزرتی
 مرے قلب مضطرب کا تو مدار چرخ پر تھا
 تو نہ سوز غم بھی دل کا میر غمگسار ہوتا
 وہی تیر تیر ہوتا جو جگر کے پار ہوتا
 جو اسے سکون ہوتا تو اسے قرار ہوتا

حضرت غالب مرحوم کی یہ دو غزلیں ایسی ہیں کہ کوئی گوشہ ایسا نہیں جسے غالب نے چھوڑ دیا ہو۔ حضرت شہیر کے زور طبیعت کا ثبوت اسی سے ملتا ہے کہ انھوں نے ان میں نیا رنگ پیدا کر دیا اور جدید گوشے نکالے۔

ہر اک بات میں تھا حجاب اول اول نہ یوں تم تھے حاضر حجاب اول اول
وفا دار اغیار کا اب لقب ہے کہیں تھا یہ میرا خطاب اول اول
ازل ہی سے کوثر کی لہروں میں ڈبے ہوئے غرق موج شراب اول اول
جوانی میں رندی ضعیفی میں توبہ ثواب آخر آخر عذاب اول اول
نیا زابتدا کا تھا نازا بستا کا سوال اول اول جواب اول اول
حضرت داغ مرحوم نے بھی اس زمین میں ایک غزل کہی ہے اور کوئی شک نہیں کہ وہ غزل بے مثل ہے۔ لیکن حضرت شہیر کی اس غزل کے چند شعر لائق تحسین ہیں میرے زعم ناقص میں قدرے امتیازانہ شان رکھتے ہیں مثلاً یہ شعر
جوانی میں رندی ضعیفی میں توبہ ثواب آخر آخر عذاب اول اول
لفظوں کی تکرار سے شعر کی لطافت دو چند ہو گئی۔

نقص

اس طریقہ کا نام ہے جس پر خلوص، وفا، تسلیم و رضا کے ساتھ چلنے والے کی ذات باری تعالیٰ کے حکم کے آخری منزل پر واصل ہو جاتی ہے ہر منزل پر پردہ اٹھتا جاتا ہے، ہر شے میں خدا کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے اور ہر چیز میں اسی کی حقیقت

جھلک معلوم ہونے لگتی ہے۔

قدمالے جس وسعت اور دلاویزی کے ساتھ صوفیانہ خیالات ادا کئے ہیں ان کی نظیر کسی دور میں نہیں ملتی، اس میں شک نہیں کہ تصوف کا رنگ ہر دور میں کچھ نہ کچھ ضرور پایا جاتا رہا، دور جدید کے شعرا میں مولانا حالی، مولوی اسماعیل، فانی، وغیرہ کے کلام میں بہت کچھ صوفیانہ شان پائی جاتی ہے۔ جناب شہیر کا سلسلہ تلمذ اگرچہ ناسخ تک پہنچتا ہے لیکن آپ صوفیانہ خیالات سے بیگانہ و نا آشنا نہ تھے۔ آپ کے یہاں تصوف کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ زیادہ تر اشعار صوفیانہ خیالات ہی پر مبنی ہیں، حضرت شہیر نے اپنا انداز بیان نیز شاعری کے محاسن کو فلسفہ و تصوف کی سنگ لاخ زمین میں بھی با تھ سے جانے نہیں دیا ہے۔ نہایت بے تکلفی کے ساتھ جس طرح چاہا آسان لفظوں کے قالب میں معانی و مطالب جلیلہ کو ڈھال دیا، چاند شعر، شستے نمونہ از خروارے، ہدیہ ناظرین ہیں۔

جمال شاہد کیتا کا جلوہ یار میں دیکھا	جو رنگِ حسنِ اصلی ہے گلِ خسار میں دیکھ
انجن افروزی کثرت میں ہے وحدت کی شان	اک چراغِ طور ہے اس شمعِ مخفل کا جواب
یہ عشق مجازی بھی حقیقت کا ہے زینہ	رکھ پاؤں زرا اے دل دیوانہ سمجھ کر
لے عشق میں جو شمیم حقیقت سے کام دل	دیکھے نئی زمین نیا آسمان دل
کثرت ہی میں وحدت کا جلوہ نظر آتا ہے	وہ لاکھ حسینوں میں کیتا نظر آتا ہے
اوصن ترا جلوہ ہر جا نظر آتا ہے	پردہ میں بھی تو پردہ آرا نظر آتا ہے

جو پردہ باطن میں ہے محو خود آرائی ، عکس آئینہ دل میں اسکا نظر آتا ہے
 جب آپکی کھینچتی ہے تصویر لقصور میں صورت گرا اصلی کا نقشہ نظر آتا ہے
 ہے صورت و معنی میں تمکیز جسے حاصل نیز نگ شود اس کو دھوکا نظر آتا ہے
 جلوہ حسن ازل سے ہے دو عالم معمور * شان کثرت میں دکھائی ہے یکسانی

آپ اپنا پستہ نہیں ہم کو یہ نہیں جانتے کہاں ہیں ہم
 اپنی ہستی بھی ہے عجب ہستی کہ نہیں ہونے پر بھی ہاں ہیں ہم
 مرمتہ مرتے بھی ہے بلند نگاہ عازم سیر لا مکاں ہیں ہم
 قید کون و مکاں سے ہیں آزاد کچھ نہیں ہے جہاں ہاں ہیں ہم
 سورت وحدت آتشکار دیدہ امتیازیں جو ہر فرد مرہ نما آئینہ مجاز میں
 نعمت ساز سوز غم نہ نالہ و نواز میں گرمی شوق پردہ آہ جگر گداز میں
 چشم حقیقت آشنا آئینہ مجاز میں دیکھ رہی ہے اسکا عکس ہے حجاب ناز میں
 حال مریض پیر کا کیا ہے شب دراز میں جانے وہ کیا جو سور ہے جا کے حریم ناز میں
 نئے تو پڑ کے سور ہے پہلوئے خواب ناز میں رسم کو راہ مل گئی دیدہ نیم باز میں
 لے دل درو آشنا اُس سے جفا کا کیا لگہ ذوق ستم بھی ہو ملا جسکی ادائے ناز میں
 پاؤں نکالتے نہیں وہ تو حریم ناز سے سجدے یہاں ہیں بہقرا ناصیہ نیاز میں
 اس کے لب زبان میں گو جو ہر راستی نہو جھوٹی تسلیاں تو ہیں مدھیلہ ساز میں
 نالوں کی گرم جوشیاں آہوں کی سڑھیاں کرتی ہیں کار سازیاں عشق کے سوز ساز میں

آپ کا دل تو پھر ہے دلِ سنگ بھی تو موم ہو
 راہِ تلاشِ یار میں جتنے ہیں ذرہ ہائے خاک
 روزِ سیاہ بھر کا ہو گیا سایہ بھی شریک
 برقِ جلالِ طور سوز۔ نورِ جمالِ دلفروز
 بارشِ اشکِ غم کے ساتھ آہوں کی بھلیاں بھی
 گردِ پھر سے فدا ہوئے۔ لاکھوں تپنگے جل رہے
 شمعِ بجھی سحر ہوئی۔ اٹھ گئے اہلِ بزم بھی
 حد سے بڑھائے جب قدم گر گئے آپ کے بل
 پائے طلبِ اُلجھ گئے دامنِ حرصِ آدمیں

حسنِ نظارہ سوزِ پرتابِ نظر کے شہید

مصلحتاً اسی سے تو وہ ہیں حجابِ نازیبا

نصوف کوئی آسان چیز یا بچوں کا کھیل نہیں کہ ہر کس و نا کس اس کا مرد میدان بن سکے
 وہی شخص اس بحرِ ناپیدِ کنار کا غواص ہو سکتا ہے جس کے دل میں محبت کا سچا جذبہ
 موجود ہو۔ ابتداً عرض کر چکا ہوں کہ شیرِ ایک ایسا درد مند دل لے کر آئے تھے ہمیں
 محبت کی دنیا آباد تھی سوز و گداز کے اندر عشق و محبت کا حقیقی انسان جسے ہم نصوف
 کہتے ہیں حضرت شیر نے بہترین طور پر پیش کیا ہے اربابِ ذوق اس کا اختیار خود
 کر سکتے ہیں تفصیل کی ضرورت نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت شیرِ دنیا کے شاعری کے آفتابِ درخشاں تھے ہر نفعِ سخن

پر طبع آزمائی فرما کے انھوں نے اپنے اقتدار کلی کا ثبوت دیدیا ہے۔ مقدمہ کی تطویل موجب پریشان خاطر ارباب ذوق ہوگی لہذا ہر نوع سخن پر سرسری تبصرہ سے بھی احتراز کیا گیا حضرت شہیر کا دیوان اپنے زین دامن میں طرح طرح کے جواہر ریزے لئے ہوئے ہے، ارباب ذوق خود مشاہد فرمائیں گے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ ہم اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے استاد معظم حضرت شہیر مرحوم کے دیوان کا مقدمہ کما حقہ نہ لکھ سکے اور نہ آپ کی شخصیت کو بے نقاب کر سکے جو کچھ بھی تحریر کیا گیا ہے اس سے حضرت شہیر کی ذات بلند تر ہے۔

ارباب ذوق سے امید ہے کہ وہ جناب شہیر مرحوم کے دیوان کا خیر مقدم اسی عزت و وقت کے ساتھ کریں گے جس کا کہ وہ مستحق ہے۔

ہم عالیجناب آرنہیل ڈاکٹر سر شاہ محمد سلطان کے، ٹی، ایم، اے ال، ڈی بیٹر ایٹ لاء چیف جسٹس ہائیکورٹ الہ آباد کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جناب مملوح نے میری گزارش کو شرف قبول حرمت فرمایا اور اس مجموعہ پر تقریظ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔

ہم اپنے محترم دوست جناب امتیاز الشعر مولوی سید محمد جعفر صاحب قدسی جاسی کے منت پذیر ہیں کہ جناب نے میری خاطر سے اس مجموعہ کا تاریخی نام تجویز فرمایا۔

ناچنز

حیدری

تعارف

(از جانشین حضرت شہید)

پہلے بچپن پھر جوانی اور کہیں آخر میں پیری آتی ہے لیکن مجبوری تلاش فیہ حصولی کا بُرا ہو کہ حضرت شہید اعلیٰ البدن مقام کا آخری کلام جھکوا ابتدا میں پیش کرنا پڑتا ہے۔ چاہئے تو یہی تھا کہ اس وقت تک جب تک کہ ابتدا و درمیان کے کلام نہ مل جاتے ہیں اس آخری کلام کی طباعت کا خیال ہی نہ کرتا کیونکہ اُلٹا پہننے کو دریا بہتا تو ہے لیکن خلاف فطرت پھر عمر نوجی درکار تھی اور شاید اس پر بھی ایسا ہونا ناممکن ہی تھا کیونکہ تدبیر کے ساتھ ساتھ بسا اوقات تقدیر اپنے زبردست احکام جاری کئے بغیر نہیں رہتی۔ سب سے ابتدائی کلام خود جناب مصنف نے ایک مطبع کو دیا لیکن چھپنا درکنار آج تک اس نسخہ کا پتہ بھی نہ ملا۔ درمیانی کلام جو ایک ضخیم کتاب کی صورت میں تھا اور جسکے لئے خود جناب موصوف نے اپنی زندگی میں دوبارہ طباعت کی کوشش فرمائی وہ بھی خدا بھلا کرے میرے ایک کرم فرما کا کہ صاف کرنے جو نیگئے تو اب تک خاموش ہیں بچا کھچا یہ آخری کلام رہا جو نہایت غیر سمنسل حالت میں میرے ہاتھ لگا اور جس میں بھی یہ خامی رہ گئی کہ مرحوم کی بالکل آخری عمر کی نظمیں کہیں بھی نہیں۔ بہر کیف جو بھی ہے بطور یادگار پیش ہے۔ نہ ہونے سے کچھ بھی ہونا اچھا ہی ہے۔

حضرت شہید غلاماں کی مکمل سوانح عمری محتاج بیان نہیں کیونکہ دوبارہ ایک بار ۱۹۷۹ء میں دوبارہ مصنف حیدر آباد دکن میں دوسری بار جناب صفدر مرزا پوری کی تصنیف کردہ نسخہ میں

شائع ہو چکی ہے لیکن چونکہ دیوان کے ساتھ ساتھ کچھ مصنف کے حالات بھی ہونا ضروری ہیں لہذا مختصر لیکن جامع طور سے زینتِ دہ اور ارق ہیں۔

نام۔ سید محمد نوح۔ تخلص شہیر۔ عمر ۷۷ سال ۱۲۸۵ھ لغایت ۱۳۴۸ھ
ساداتِ عظام رؤسائے مچھلی شہر سے ہیں۔ سلسلہ نسب پدیری اُرتیسیوں پشت میں حضرت امام
علی نقی علیہ السلام امام دہم تک پہنچتا ہے اور سلسلہ مادر سی پچینویں پشت میں حضرت امام
حسنؑ تک منتہی ہوتا ہے۔ یعنی داد ہال ساداتِ حسین اور نانا مال ساداتِ حسنی ہے۔
آپ کے بزرگوار عہد سلطان علاء الدین خلجی میں شہر سبزوار متعلقہ ملک نیشاپور سے
وارد ہو کر عہدہ ہائے جلیلیہ پر سر بلند و ممتاز رہے۔ اس خاندان کا احترام سلاطینِ عہد
کرتے رہے عہد عالمگیری میں آپ کے اسلاف ضلع الہ آباد میں اگر متمکن و زیب افزائے و
سادۂ ارشاد و ہدایت ہوئے۔ جہاں کثرتِ اولاد و احفاد سے چند مفتح آباد
ہو گئے۔ آپ کے جدِ نحم سید ابوسعید اعلیٰ اللہ مقامہ کو سندھ زینداری مواضع کثیر کی ضلع
جوہر صوبہ الہ آباد میں حاصل ہوئی جس کے ذریعہ سے مچھلی شہر میں اگر قیام پذیر ہوئے جو
اس وقت محض گھسوہ کے نام سے مشہور تھا۔ عہد سرکارِ انگلشیہ تک آپ کا خاندان بہت
ممتاز و سر بلند رہا۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس سے آپ کا خاندان یہاں آباد ہے آپ کے اہل
خاندان ہمیشہ عہدہ ہائے جلیلیہ پر فائز و ممتاز رہے اور اب تک ہیں۔ آپ کے والد ماجد سید علی علی
صاحب مرحوم خاندان موجودہ کے سردار و سر و تخت۔ ایامِ غدر ۱۸۵۷ء میں سرکارِ انگریزی کی
ایسی خیر خواہی اور خدمات کیں جن کے صلہ میں سرکار سے علاوہ ریاست سابقہ کے چند علاقہ جات کی

اور عطا تھے علاوہ بریں اختیارات اسپیشل مجسٹریٹ تمام حدود پھیلی شہر میں مرحمت ہوئے۔ آپ اپنے والد کے خلف الہمدیٰ فرزند اکبر میں علاوہ حسن سیرت کے حسن صورت میں بھی واہب العطا نے امتیاز خاص بخشا تھا چنانچہ خود ایک غزل کے مصراع میں فرماتے ہیں

”آپ اچھے ہیں تو میری بھی ہے صورت اچھی“

تعلیم | فارسی اور عربی کی تکمیل گیارہ برس کی عمر میں گھر ہی پر کر لی تھی۔ ۱۳۱۷ء میں جب آپ کے والد ماجد کا وصال ہوا اس وقت آپ کی عمر پورے بارہ برس کی بھی نہ تھی لیکن نشاء میں حسب تجویز حکام ضلع آپ تعلیم انگریزی کیلئے آگرہ بھیجے گئے۔ وہاں مولوی سید محب علی صاحب ستیس جو کالج میں ہیڈ مدرس عربی اور آپ کے خاص معلم تھے ایک باکمال خوش فکر خوش گو شاعر تھے انھیں کی صحبت کی اتمت سے آپ میں مذاق شعر و سخن پیدا ہوا۔ مرزا قاسم علی مہر شاگرد رشید ناسخ مرحوم ان دنوں آگرہ میں استاد فن تھے۔ مولوی محب علی صاحب ستیس سے مشاعرے میں مقابلہ ہا کرتا تھا۔ آپ بھی اکثر شاعروں میں اپنے استاد کیساتھ جایا کرتے تھے۔ اگرچہ اس وقت آپ خود کچھ کہتے بھی نہ تھے مگر طبیعت میں مذاق شاعری اچھی طرح پیدا ہو گیا تھا۔ آخر ۱۳۱۷ء میں جب آپ پھلی شہر آئے تو وہ شوق کی آگ جو عرصہ سے اندہ ہی اندر سلگ رہی تھی عنفوان شباب میں شعلہ در ہو گئی۔

آغاز شاعری | اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ کے بہت قریب تر رشتہ کے چچا (جو بعد میں خسر بھی ہوئے) سید محمد ظہور ڈپٹی کلکٹر جو اُس زمانہ میں تحصیلدار فرخ آباد تھے بھصول بخت دطن آئے تھے موصوف شاعری کے کمال دلدادہ و شائق تھے فرخ آباد کے نامی مشاعروں میں سے ایک ہوا کرتے تھے وہاں کلب حسین خاں نادر کے یہاں ہوا ری شاعر ہوا کرتا تھا۔ وہیں کی طرح پہلے پہل غزل کو

جسے سید محمد ظہور صاحب نے خوش ہو کر سنا اور پسند فرمایا۔ مدوح کے دل بڑھانے سے اور حوصلہ بڑھا اور پھر کہنے لگے لیکن اردو میں کم فارسی میں زیادہ۔ چونکہ بدوشحور سے آپ کو خواجہ وزیر صبا رشید حضرت ناسخ مرحوم کا کلام بہت پسند تھا اسی عقیدت کی وجہ سے اُن کے بیٹے خواجہ بادشاہ صاحب ترقی کے پاس اپنی چند غزلیں بلئے اصلاح بھیجیں۔ شاعری کا شوق بڑھتا جاتا تھا اور شوق کافی ہوتی جاتی تھی اپنے حوصلہ سے زیادہ کہنے لگے اور اکثر بنارس و فرخ آباد کے مشاعروں کی طرحوں پر غزل لکھی۔ اور داد شاعری پائی۔

تبادلہ اصلاح | خواجہ وزیر کا کلام بید پسند تھا لیکن انکا وصال ہو چکا تھا انکے بیٹے سیر سے اصلاح لیتے تو ضرور تھے لیکن ابتداء سے بعد خواجہ وزیر کے سید اسماعیل حسین صاحب تیسرے نیکو آبادی کے رنگ شاعری کے بید و لہو تھے۔ دل میں آرزو تھی کہ اگر منشی منیر کے ملاحظہ سے کلام گزرتا تو خوب تھا مگر شرم و متاع کا سد سے اصلاح لینے کی جرأت نہ کرتے تھے تاہم خود موصوف نے توجہ فرمائی اور آپ کو شرف شاگردی حاصل ہو گیا۔ اور پھر جو کچھ حاصل ہوا وہ منشی منیر مرحوم کی فیض صحبت و اصلاح کا نتیجہ تھا۔ ابتدا کے کچھ اشعار اتفاقاً مل گئے جو درج ذیل ہیں۔

جان و دل لینے پہ جسم آپ مائل ہو گئے اک نظر میں سینکڑوں بج جانے دل ہو گئے
دھجیان حیب و گریباں کی اڑاتے کیوں نہیں یہ مرے دست جنوں کیوں آج کاہل ہو گئے

جان کیا نبکھے گی جسم زار سے خود دبی ہے لاغری کے بار سے

لاغری میری ثبات کفر ہے ہوں مشابہ رشتہ زنا سے

شاعری کا انسداد | شاعری کا شوق بڑھتے بڑھتے ایک بارگی طبیعت مذہب کی طرف مائل

ہو گئی۔ اب بجائے شاعری کے کتب مذہبیہ دیکھنے کا شوق بڑھا اور مغل شعر و سخن کی جگہ مذہبی بحث کا سلسلہ آغاز پذیر ہوا چار پانچ سال تک کتب دینی اور بحث و مباحثہ کے بعد طبیعت نے پھر پہلی طرف پلٹا کھایا اوسکی وجہ یہ ہوئی کہ سید محمد ظہور صاحب پیشین لے کر وطن آچکے تھے اور مایانہ مشاعرے کی بنیاد ڈال دی تھی۔ دوبارہ جو طبیعت راغب ہوئی تو مرتے دم تک شوق کم ہونا تو کیا بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ کئی بار سرکار کی اعلیٰ اسے اعلیٰ ملازمت کا حکم آیا لیکن یہ کہہ کر کہ شاعری آزاد طلب ہے۔ انکار کر دیا۔ جیسی تو فرماتے ہیں۔

شیر آج دنیا میں اک چیز ہوتا مگر شاعری نے کہیں کا نہ رکھا

علمی قابلیت ایوں تو باقاعدہ تعلیم کم ہوئی مگر شوق کتب بینی نے خدا داد قابلیت پیدا کر دی۔ اردو تو غیر مادری زبان ہی ہے۔ عربی و فارسی کی قابلیت بدرجہ اتم تھی بالخصوص فارسی میں وہ ید طولیٰ حاصل تھا کہ اکثر فارس یا ایران کے مسافر آجائے تھے اور آپکی شستہ گفتگو و روانی زبان پر عیش عش کرتے تھے اور اکثر بے ساختہ کہہ اٹھتے تھے کہ ہلوگوں میں کا قابل سے قابل شخص ہی آپ سے مقابلہ کر سکتا ہے۔ فارسی شعر کے دو ادین قریب قریب کل نہیں تو نصف تو ضرور بزر زبان تھے۔ عربی زبان میں عبور کامل تھا اکثر مجلسوں میں بیان فرماتے فرماتے وہ عربی کے نکات بیان کر دیتے کہ سامعین ذک رہ جاتے۔ ان سب کے علاوہ سنسکرت کے بہت زیادہ دلدلہ تھے اور ماہر بھی تھے اکثر ہڈتوں سے بحثیں کر بیٹھتے تھے۔ فن عروض میں تو وہ دستگاہ کامل تھی کہ انہری سا استاد فن بارہا کہہ چکا ہے اور بھرے مجمع میں کہہ چکا ہے کہ آج مرزا اوج کے بعد اگر

کوئی ذات ہندوستان میں ہے تو حضرت شہیر کی ہے۔
خصوصیات شاعری ہمیشہ صاف کہنے کی کوشش فرماتے تھے اور شاگردوں کو بھی
 ہمیشہ یہی ہدایت تھی۔ تعقید کو جید برا سمجھتے تھے لیکن اگر شعر میں مجبوراً تعقید ہو جائے اور
 ظاہر اشعر میں کوئی سقم نہ پیدا ہو تو جائز سمجھتے تھے۔

کمی وفا میں نہ کی وعدہ وفا کر کے دکھا دیا علما منہ سے جو کہا کر کے
 ساتھ ہی ساتھ رعایت لفظی کسی جگہ نہیں چھوٹنے پاتی تھی۔ کوئی شعر ایسا نہیں کہ رعایت
 لفظی سے خالی ہو اور یہی وجہ تھی کہ بعض شعر محض اس رعایت سے دل پسند ہو جاتے تھے۔
 اُمکی کشیدگی نے ہزاروں کی جان لی وہ کھینچے کھینچے آپ ہی تلوار ہو گئے
 نشست الفاظ سے بندش اتنی چست کر دیتے تھے کہ اگر کوئی لفظ کہیں سے ہٹا لیا جائے
 تو اسکا بدل دوسرا لفظ رکھا ہی نہیں جاسکتا تھا۔

نور کمال عشق سے ظلمت نہیں رہی آلودہ مجاز حقیقت نہیں رہی
 طرز بیان اسقدر صاف اور سچائی لئے ہوئے کہ جو کچھ بیان فرماتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ اصل
 خود موصوف پر گزر چکا ہے چنانچہ اکیبار اپنے ایک دوست کو غزل سنائی جس میں مذاق
 شراب میں ذیل کا شعر بھی تھا۔

وہ تند و تیز بلائی ہے آج زائد کو لکیر سینے پہ پیتے ہی پڑ گئی ہوگی
 وہ حضرت اس رنگ میں بھی رنگے ہوئے تھے فرماتے لگے کہ خدا کی قسم جناب شہیر آپ نے ضرور
 کبھی شوق کیا ہے ورنہ ہرگز ہرگز یہ شعر کبھی نہیں نکل سکتا تھا۔

مضمون آفرینی کی یہ حالت تھی کہ بعد اسے بعداً متبذل سے متبذل قافیہ میں مضمون پیدا کر کے اُفلا دیتے کہ باید و شاید ایک بار حضرت داغ کے زمانہ میں طرح ہوئی۔ آستان دل۔ امتحان دل۔ اور! استخوان کا قافیہ مشروط کر دیا۔ حضرت داغ نے تو رخ بھی نہ کیا۔ منشی امیر احمد صاحب نے الیتمہ فکر کی مگر وہی بالکل الگ رہتے ہوئے۔

”ہم نے کبھی سنا بھی نہیں استخوان دل“

لیکن جناب شیر نے مضمون آفرینی کے جوہر دکھا دئے اور وہ شعر کا لاکھ صرف یہی اک شعر استاد کی لئے سند ہے۔

خلقت تھی ناتمام کہ تھا صرف خون گوشت بیوست ہو کے تیر بنا استخوان دل
زنگ شاعری | طبعیت زیادہ تر تصوف کی طرف مائل تھی۔ اشعار جو ہوتے تھے وہ قریب قریب کل معرفت میں ڈوبے ہوئے رہتے تھے۔ پرانا زنگ زیادہ مرغوب تھا فرمایا کرتے تھے کہ اشعار صاف ہوں اور بس معرفت میں ڈوبے ہوئے ہوں۔

صورت و مدت آشکار دیدہ امتیازیں جوہر فرد و ناز آئینہ مجاز میں
 زنگ رخ جتنا اُڑایا عشق کی تاثیر نے لے لیا کچھ آپ نے کچھ آپ کی تصویر نے
زود گوئی | شعر اس قدر جلد موزوں کرتے تھے کہ اگر کسی سے بیان کیا جائے تو شاید یقین نہ آئے۔ ایک بار ناٹھری مرحوم مجلس پڑھنے تشریف لائے۔ بعد مجلس او نہیں واپس جانا تھا۔ کسی مشاعرہ کی طرح بھی ہوئی تھی۔ باتوں باتوں میں ممدوح سے کہنے لگے کہ افسوس وقت نہیں ہے ورنہ جناب کو ایک غزل کہنے کی تکلیف دیتا۔ ممدوح نے فرمایا۔ مصرعہ طعنتا ہے ابھی آپ کے

روانگی میں آدھ گھنٹہ ہے۔ ناصری صاحب نے بھی بلا لحاظ نامگی وقت طرح بتا دی اور نتیجہ یہ ہوا کہ چلتے چلتے پورے ستائیس شعر کی غزل تیار ہو گئی۔

وقت پستی | یہ خاص بات تھی کہ جس قدر مشکل زمین ہوتی اتنا ہی بہتر غزل کہتے تھے۔ علاوہ بریں بہت سے قیود اپنے لئے لازم کر لئے تھے منادی بلا حرف ندا کے کبھی نہیں کہتے تھے۔ سربالفتح فارسی ترکیب کے ساتھ اور بالکسر بلا ترکیب استعمال کرتے تھے۔ "نون غنہ" بلا ترکیب ہرگز نہیں کہتے تھے بلکہ اگر ترکیب یا عطف نہ کرتے تو ہمیشہ "نوں" کا اعلان کیا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ اکثر سامنے کے مضامین جو بلا ترکیب و عطف آسانی سے موزوں ہو سکتے تھے آپ کو مجبوراً چھوڑ دینے پڑتے تھے جہی تو فرماتے ہیں۔

شہیر افسوس ہے پابندی عطف اضافت نہیں تو اور کچھ بندش میں شانِ آستین ہوتی اصلاح | شاگردوں کی اگرچہ بھرا تھی اور ہر شہر میں ایک نہ ایک شاگرد آپ کا ضرور تھا جس میں خصوصیت کے ساتھ مولوی محمد رشید صاحب سیل رئیس مچلی شہری۔ سید محمد سلیم صاحب سلیم مرحوم مچلی شہری۔ محمد ہادی صاحب ہادی وکیل مچلی شہری۔ پنڈت جگموہن ناتھ صاحب رینہ شوق ڈوٹی گلکٹر سیتاپوری۔ محمد زکریا صاحب رحمت الغوی کوہپن عبدالحمید خاں صاحب زیبابی۔ اے کوٹی اشتیاق احمد صاحب مشتاق ملو نوی۔ حاجی مولانا ابوالحسن صاحب حیدری فاضل غازی پوری۔ شیخ باقر حسین صاحب وقار ممتاز حسین صاحب منعم جو پوری عزیز تر تھے۔ پھر بھی ہر ایک شاگرد کی غزل کی نہایت محنت سے اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ بلکہ غزل کے کاغذ پر غلطیوں کو لکھ دیا بھی کرتے تھے تاکہ شاگرد ہمیشہ

کے لئے متنبہ و واقف ہو جائے۔ پورا شعر بہت کم کاٹتے تھے بلکہ زیادہ تر نقطوں کے اکٹ پھیر سے معنی پیدا کر دیتے یا ایک آدھ لفظ گھٹا بڑھا کر شعر میں چار چاند لگا دیا کرتے تھے۔ ایک بار سید محمد سلیم صاحب سیکیم یہ مطلع کہہ کر لائے

منہ دیکھی انکی باتیں ہیں دلپز نہیں جو کچھ ہے وہ ادھر ہے ذرا بھی اُدھر نہیں
آپ نے دوسرے مصرع میں ذرا سی تبدیلی کر کے مصرع یوں کر دیا
جو کچھ ہے آئینہ کے ادھر ہے اُدھر نہیں

اب شعر کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔

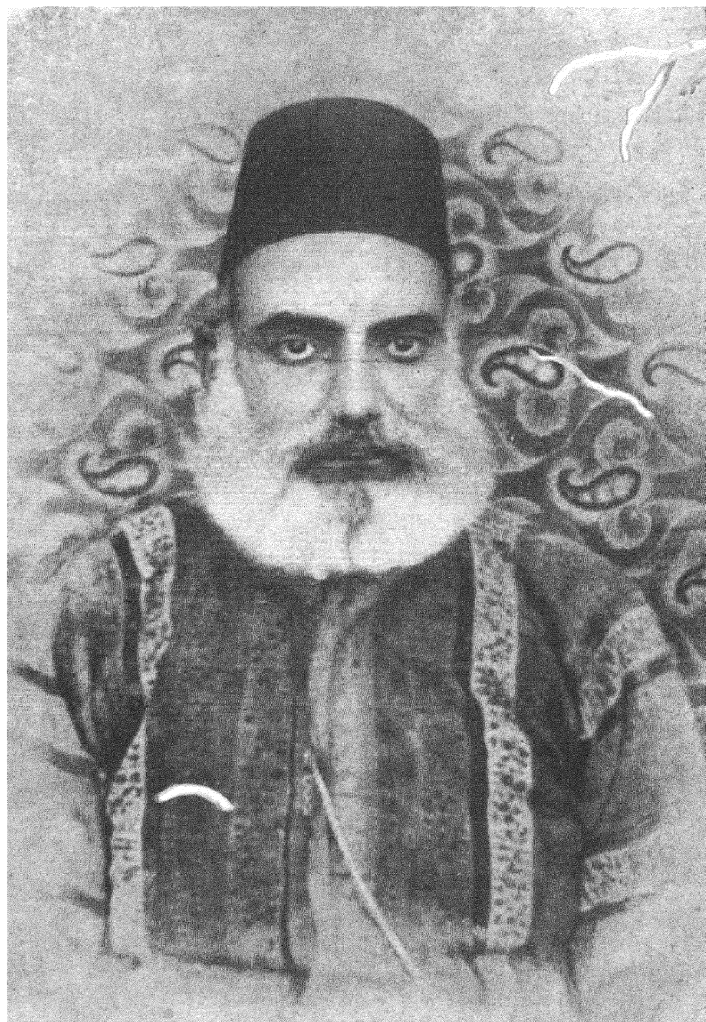
منہ دیکھی اُن کی باتیں ہیں دلپز نہیں جو کچھ ہے آئینہ کے ادھر ہے اُدھر نہیں
قصایف تین دیوان غزلوں کے ایک دیوان قصائد کا۔ ایک ضخیم ناول تصنیف فرمایا اور آخر وقت میں ایک رسالہ بھی فن عروض میں لکھ ڈالا۔ لیکن انہوں نے کہ صرف چند قصائد جدا جدا شائع ہو سکے بقیہ شائع ہونا تو درکنار دو دیوان غزلوں کے لاپتہ ہی ہو گئے۔ کچھ قصائد غائب ہوئے۔ پورا رسالہ فن عروض کا جو طبع ہونے کے بعد ایک مثال ہونا عمر بود ہو گیا صرف ناول اور دو دیوان باقی رہ گئے اللہ اللہ خیر صلاح جس میں سے ایک دیوان خدا خدا کر کے شائع ہو رہا ہے مابقی انشاء اللہ شائع کرنے کی نیت ہے۔

آخری وقت وفات سے چار پانچ برس قبل ہی تندرستی بہت خراب ہو گئی

تھی مائی بلڈ پریشر کا بجد زور تھا۔ معدہ نہایت خراب ہو گیا تھا۔ غذا بہت کم

ہو گئی تھی۔ اطباء نے شعرو شاعری کے لئے تاکید کر دی تھی کہ قطعی ترک کروں جائے۔
 لیکن چھٹے چھ ماہ پہ لوگوں کے اصرار سے کہنا ہی پڑتا تھا۔ خوب جگر علاج ہوا
 شکرہ کے آغاز ہی میں طبیعت بہت کچھ سنبھل گئی۔ زبان میں لکنت پیدا
 ہو گئی تھی مگر قطعی جاتی رہی۔ معدہ بھی بہت کچھ درست ہو چلا تھا کہ ناگہاں
 ۱۰ ماہ رجب شب جمعہ گیارہ بجے فالج منحوس نے اپنا اٹل حملہ کیا اور اسی
 وقت چار بیٹے۔ دو بیٹیاں۔ پوتے۔ پوتی۔ نواسے۔ نواسیاں اپنی یادگار چھوڑ کر
 دار فانی سے کوچ کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

خادم
 سرورش



حضرت شہیر بھلی شہری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَصِیْدَہٗ فِی الْحَبْلِ جَنَابِہٖ رُحْمُہٗ رَاخِہٗمُ الْاَنْبِیَاۃُ صَلَوٰۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ وَاٰلِہٖ

حسن طبعان ہند ہے تکب خوانِ دل
ہے دہن زخمِ دل صاف نکدانِ دل
بڑھ گئی داغوں سے اور منزلتِ نشانِ دل
دیکھ لے دیکھا نہ ہو جس نے گلستانِ دل
روگِ محبت کا ہے اک مرض لا علاج
موت ہے اسکی دوا مرگ سے درمانِ دل
تنگی جا کا گلہ کس نے وحشت کو ہے
وسعتِ کونین سے کم نہیں میدانِ دل
راہِ غزل پر چلے تو سنِ طبعِ رواں
کم نہیں اس کے لئے وسعتِ میلنِ دل

مطلع

خون سے ہر دم بھرا رکھتے ہیں ہم خوانِ دل
ناوک بیداد ہوا عشق سے جہانِ دل
درو تھا اب آبلہ بنکے او بھرنے لگا
میرے چھپائے چھپا کب غم پنہانِ دل
صبر و سکون و قرار ہو گئے بیگانہ وار
چھوٹ گئے عشق میں سب یہ عزیزانِ دل
فوجِ خوشی منہزم لشکرِ غم سے ہوئی
جیت لیا عشق میں رنج نے میدانِ دل
سچ ہے کہ دیوانے کو کافی ہے بس ایک تنہو
نالہ زنجیر ہے باعثِ افغانِ دل
زخمِ جگر سے کرے لطفِ نظر التیام
تارِ نگہ سے سہلے چاک گریبانِ دل

ہے تو فقط دو درآہ سلسلہ جذبات
 خاک میں ملنے لگے لعل بدخشانِ دل
 اور بھی شمشیر ہوئے دیدہ حیرانِ دل
 اب ہے خرابی کا گھر خانہ ویرانِ دل
 روح کے ہمراہ ہیں حسرت و ارمانِ دل
 شک ہے تو اٹھوانہ تو مجھ سے سب قہرِ دل
 پریوں کے جھرمٹ میں ہے آج سلیمانِ دل
 ٹوٹ گئے آج سب میوہ بستانِ دل
 آنکھوں سے بہنے لگا خونِ شہیدانِ دل
 نہ نہ سکا چار دن عشق میں پیمانِ دل
 دل مرا اُن پر فدا میں ہوا قربانِ دل
 شورِ عنادِ دل نہیں نالہ و افغانِ دل
 دل سے نکلتا نہیں یوسفِ زندانِ دل
 بھیس میں آنسو کے ہیں گوہرِ عمانِ دل
 ہو گئی زنجیرِ پا سلسلہ جُنبانِ دل
 اور بھی ابتر ہوا حال پریشانِ دل
 جب سے کہ عشقِ تہاں ہو گیا ایمانِ دل

قیدی زلفِ سیاہ کی کوئی لے کیا خبر
 عشقِ لبِ یار میں دیدہ خوبا سے
 دیکھ کر آئینہٴ قلب میں تصویرِ یار
 عیش و خوشی کا مکان آہ بہت دن رہا
 ان کا نکلتا بھی ہے جان نکلتے کے ساتھ
 مصحفِ رخسار کے عشق کا دعویٰ ہے رست
 چھوڑ کے پہلو مرا ساتھ حسینوں کے ہے
 پھوٹ گئے آبلے سینہ پر داغ کے
 حسرت و امید کا جبے ہوا قتلِ عام
 ترکِ محبت کا عہدِ توبہ رنداں ہوا
 جو ہو بلا گردِ یار کیوں نہ ہوں اُس بشار
 تابِ سماعت بہلا اُس گارِ ترکو کہاں
 ایک گھڑی بھی خیال آپ کا جاتا نہیں
 ہجر میں ہے جوشِ زن آنکھوں سے دریا شکر
 وحشتِ دل قید میں اور زیادہ ہوئی
 کاکلِ ہیجانِ یار ہو گئی دایمِ بلا
 کفر سے مانوس ہے دین سے بیزار ہے

مطلع : زوں کوئی اور سناے شہسیر ^{مطلع} سُن کے جسے شاد ہو دل سے بخندانِ دل

پہنچو وحشت بڑے جب سوائے واماں دل پاؤں نہ پھیلائے کیوں چاکِ گریبانِ دل
 پہونچینگے کیا تا اثرِ نالہ و افغانِ دل پھرتے رہیں در بدر خانہ بدوشانِ دل
 اُٹھتی ہے رُہ رُہ کے ٹیس دستا ہا کیوں عرش سے اونچا ہے کیوں نالہ و افغانِ دل
 غنچہ خاطر کو ہے کس لئے پڑ مروگی صرف خزاں ہو گیا کیوں چہستانِ دل
 تھا میں اسی سوچ میں آگئی جو کیسی میں نے کہا تو تو ہے واقف پہانِ دل
 بہرِ خدا صاف صاف مجھ سے بھی کچھ کہیاں مجھ کو بھی معلوم ہو حال پریشانِ دل
 سُن کتب اُس نے کہا کہنے سے کیا فائدہ آپ گھٹا دینگے کیا رنجِ فراوانِ دل
 مونس نہ ہر دو یار کوئی نہیں جُز خدا کس کھوں حالِ دل کوں ہے پرسانِ دل
 ہے تو فقط آسرا احمد مرسل کا ہے جسکی محبت ہے فرض اور ہے ایمانِ دل
 شافعِ روز جزا حضرت خیر الوہی سیرکن اسکا زینت ایوانِ دل
 لغتِ بنی چھوڑ کر فکرِ غزل کیا ضرور غیر کا مداح ہو کس لئے حسانِ دل
 مدحتِ حاضر میں اک مطلع موزون چھوٹا نغمہ سر آج ہو مرغِ خوش الحانِ دل ^{مطلع}

آپ کی رحمت اگر ہو نہ نگہبانِ دل صدمہ و آفات سے بچ نہ سکے جانِ دل
 درسِ گہ قدسیاں آپ کے ہے قلبِ پاک عقلِ کل ادنیٰ سا ہے طفلِ دبستانِ دل

نورِ یقین ہو گیا شمعِ شبستِ انار
 عرش سے بھی بڑھ کے ہے شان میں العینِ انار
 مرضی اللہ ہے تابعِ فرمانِ دل
 ہے شہرِ دنیا و دین آپ کا خاقانِ دل
 تیری محبت کی موجِ اہل میں سے جانِ دل
 کیوں ہوں میں داخلِ حلقہِ گہستانِ دل
 خانہ اللہ ہے آپ کا ایوانِ دل
 مور سے کمزور ہو رستمِ داستانِ دل
 تیری ثنا و صفت سمجھے تھے ایمانِ دل
 نکتِ جگر ہیں ترے پارہٴ قرآنِ دل
 آپ مٹا دیجئے حسرت و حرمانِ دل
 جلد بکھا دیجئے آتشِ سوزانِ دل
 آپ سے پناہ نہیں مطلبِ پناہِ دل
 رہ نہیں سکتا میں اب دستِ بدمانِ دل
 اور سے میں کیا کہوں حالِ پریشانِ دل
 ہاتھ لگایا جہاں ہو گیا درمانِ دل
 قید میں کب تک ہے یوسفِ زندانِ دل

سرہِ مازنغ سے دیدہٴ باطن کھلے
 جلوہ گراس میں خیال آپ ہی کا ہے مدام
 ذاتِ خدا کو بھی ہے آپ کی خاطر عزیز
 داو پر ششِ جہت مالکِ ارض و سما
 جتنے کہ ہیں اہلِ دل بھرتے ہیں سب دم ترا
 دل کے ہے الفت تری دل کی غلامی ہے فخر
 کعبہ ہو یا لامکان دونوں سبزہ کریم ہے
 تیری حمایت اگر دل نہ بڑھایا کرے
 گذرے ہیں جتنے نبی سب تے ملاح تھے
 حضرتِ بطلین ہیں مسخِ ناطق کے جزو
 غیرتِ اطہار کا واسطہ دیتا ہوں میں
 آپ ہیں ابرکرم آپ ہیں بحرِ عطا
 مجھ سے نہ کہو اے خود ہی سمجھ جائے
 چھوڑ چلا دل مجھے روکنے سے کیا رے
 آپ جو سن لیں تو بس جمع ہو خاطر مری
 آپ کا دستِ شفا درد کا میرے دوا
 دل میں کہاں تک گھٹے ولولہٴ جوشِ شوق

وہاں تہ ہیں آپ سب مطلبانی الضمیر
 عمدہ برائے کس طرح ہو سکے قلب حزیں
 رکھے وہ دل کس طرح خود جو ہو خواہاں دل
 دل کی لگی میں کی دیدہ تر سے ہو خاک
 عرض یہ ہے آخری کب ہے اوجڑا ہوا
 کیجئے آباد پھر حسانہ ویران دل
 پانچ برس ہو چکے صبر کی طاقت ہے طاق
 کاش دالام میں جاتی ہے اب جان دل
 قلب شہیر حزیں یاس میں اب ہے غمیں
 لے شہ دنیاؤں کھوئے حرمان دل

قصیدہ منقرب غائب کل غائب مولانا علی ابن اربطالاب

موسوم بہ گل مراد

کس گلبدان سے ہونے لگے ہمنکار بھول
 کس کے گلے کا بہتے ہیں ہر وقت ہار بھول
 بہتے ہیں تمکنت سے سر شاخسار بھول
 دوش نسیم پر نہیں ہوتے سوا بھول
 شبنم سے شب کو بہتے ہیں کیوں اشکبار بھول
 کیا عندلیب زار کے ہیں سو گوار بھول
 غنچوں سے راز بستہ قدرت کی ہے کشود
 دیتے ہیں درس معرفت کردگار بھول

سہرا نہیں چڑھاتے ہیں بان سہر بلند
 کچھ کم نہیں مرے دل پرخوں کی بھی بہار
 عارض کی سیر سے کبھی آنکھیں ہوئیں سیر
 یہ وہ ہے جو رکھتے ہیں منہ صاف صبح کو
 بوتے ہیں کانٹے باغ میں صیاد و باغیاں
 زیر زمین سے آتے ہیں بچائے ترکبت
 دل صاف ہو تو جلوہ عارض کی کیا کمی
 سکی ہوئی ہے آج گلستاں میں کچھ ہوا
 تربت شہید ناز کی خالی نہیں رہی
 گلہائے واغ عشق کی ہر دم بہا ہے
 ہاں لے شہیر رنگ تغزل تو ہو چکا
 مطلع

دکھلاتے ہیں جو حسن عروس بہار پھول
 ایک ایک شاخ گل میں کھلے ہیں ہزار پھول
 پھنے ہوئے ہیں پیر بہن زر نگار پھول
 سنتے ہیں ذوق شوق میں صوت ہزار پھول
 دیتے ہیں بلبوں کو صدا بار بار پھول
 کیا شاہ چین کے ہیں آئینہ دار پھول
 جوشِ نمونہ کچھ ایسا ہے اردی بہشت میں
 فصل بہار آگئی گلشن میں عید ہے
 بوٹس طرب ہے باغ میں بلبل ہے نغمہ سنخ
 کلیاں چٹک رہی ہیں گلستاں میں جا بجا

ابن بن بھی نہ غنچہ و بیل میں ہوگی اب
ہنگامہ سرور و بہار نشاط ہے
پھولے نہیں سماتے جوانان بوتان
نوروز کا ہے روز زمانہ میں عید ہے
ہے خرمی کا رنگ چمن میں چمن چمن
سرخوش ہیں ایسے بادہ خم غدیر سے
ہے کج اُس کے جشن خلافت کی یہ خوشی
وہ جس کے دم سے باغ رسالت کی سیبا
وہ جس کے بوئے خلق سے کونین بس گئے
وہ جس کے زور پیٹہ و بازو کے سامنے
دست خدا و بازوئے محبوب کبریا
ضرغام حق امیر اُمم نائب رسول
یعیسوب دیں وقاعد عز الجحلیس
زنج بتول صہرنہی - مرتضیٰ علی
دم بھر ہے ہیں جس کا جوانان بوتان
مطلع - شہیر ابدحت حاضر ہیں وہ سنا
در پیش کیوں تجھے گل مضمون کی ہے تلاش

چھوڑا کریں چمن میں شگوفے ہزار پھول
سے نوش کر رہے طلب بار بار پھول
کیا شاد کیا نہال ہیں سب برگ بار پھول
خوبان روزگار سے ہیں ہکنا پھول
گلشن میں باغ باغ ہیں بے اختیار پھول
منہ سے بھی اب لگاتے نہیں بازو پھول
جس کی شمیم مہر سے ہیں عطر بار پھول
جس کے مطیع حکم ہیں سب برگ بار پھول
نکمت سے جس کی پاتے ہیں نگہ بار پھول
معلوم ہوتا تھا درخیر کا بار پھول
جس پر فرشتوں نے کئے اکثر شاد پھول
گلزار دیں میں جس سے کھلتے بنت چار پھول
مجرے کو جس کے خم ہیں معہ شاخسار پھول
بھیجا خلد نے جس کے لئے عطر بار پھول
جسکی ہوا میں کھلتے ہیں لیل و نسا پھول
اک تازگی کو جس کی نہ پہنچیں ہزار پھول
بکھرے ہوئے ہیں تیرے یمن و سیا پھول

دل تنگ فصل گل میں ہیں غنچہ وار پھول
نقش قدم سے ہو گئے پیدا ہزار پھول
جس طرح جلوہ گر ہوں نہ شاخسار پھول
ہو جائیں خشک مثل لب وزہ دار پھول
حاصل نہ کر سکیں کبھی عز و وقار پھول
آنکھوں میں بھی کھٹکنے لگیں مثل خار پھول
بلبل تو کیا ہے آپ ہوں پڑا نہ ڈار پھول
گاوز میں کی شاخ میں پھولیں ہزار پھول
واقع نہ ہوں خزاں سے کبھی زینا پھول
ہو جائیں پھول خار تو بن جائیں خار پھول
کر لیں خوشی سے جبر کو بھی اختیار پھول
ہم سنگ جس سے یونیکو آسید دار پھول
تلوار ہے کہ تیغ جواہر نگار پھول
دیکھیں جھلک تو باغ میں ہوں سار پھول
گلمائے زخم سے کئے ظاہر ہزار پھول
پھل دیتے کیا سپر کے دم کا زار پھول

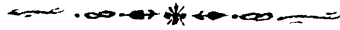
چاہیں نہ آپ تو نہ کھلیں زینا پھول
جس راہ سے حضور چلے باغ کھل گیا
دوش نبی پاک پہ اس طرح آپ تھے
رطب اللساں نہ وصف معنی میں ہوں اگر
گلشن سے پھیر لیں نظر لطف اگر حضور
بیتدر ہی نہ دیدہ بلبل میں ہوں فقط
شمع رخ حضور کا پرتو جو دیکھ پائیں
چاہیں اگر حضور تو ممکن محال ہو
مرضی پاک ہو تو ہمیشہ رہے ہمار
ماہیت آپ چاہیں تو دم بھرتی ہیں بل
پائیں جو حکم بھرنے لگیں دم ہزار کا
ہاتھ آئی جو خد سے وہ شمشیر برق دم
ایسی سبک کہ برگ گل تر سے بھی خفیف
صاف اس قدر کہ عارض محبوب جس سے ماند
ہر محرکہ میں جس نے کہ اعدا کے جسم پر
نخل حیات کرتی تھی کفار کے قلم

رنگیں مزا جیاں بھی سخاوت میں کم نہیں
 تھی باغیوں کے خون سے گل رنگ اس قدر
 تعریف کیا میں اس بک سیر کی کروں
 سرپٹ بھی دھڑے تو کوئی ٹوٹے نہ پٹھری
 باریک جلد برگ گل تر سے بھی لطیف
 کلیاں ہیں یا سن کی کہ اوس کی کنوتیاں
 ان آنکھوں کو دیکھ لے آہوئے چین اگر
 ہے اس بک روی میں گراں قدر اس قدر
 پھولوں پر اس کے نعل کا پر تو اگر پڑے
 گلشت کا اسی کے یہ فیض و طفیل ہے
 فردوس ہے چین در دولت کے سامنے

قطعہ

احسان کش حضور کے سب انبیا رہے
 احصائے وصف پاک سر اسر محال ہے
 ہر شجر تر بفرض گل تر بھی ہو اگر
 شمعہ بھی ہوئے خلق علی کا نہ ہو بیاں
 بس لے شہیر بس کہیں ترک ادب نہ ہو
 بہر خلیل ہو گئی کس طرح نار پھول
 گلزارِ منقبت میں تو ہیں بشمار پھول
 یا اور اسی طرح کے ہوں چندین ہزار پھول
 گویا ہزار ہا رسوں مثل ہزار پھول
 کافی ہیں اس ودیف کے بہرِ شزار پھول

ایسی زمین سخت میں یہ گل فشائیاں ہر بیت میں دکھاتے ہیں کیا کیا بہا پھول
 کانٹے بھی میرے حق میں اگر بوئیں نیش نین ہو جائیں میرے واسطے یا رب وہ خار پھول
 پھولا پھیلا رہے مری امید کا درخت ہر شاخ آرزو میں لگے ہوں ہزار پھول
 محشر میں اس قصیدہ کو میں پیش حق پھول مدح علی میں منہ سے جھڑی بار بار پھول
 گلہائے آفریں سے جھڑی دامن مراو پائے صلہ میں مدح کے مدت نگار پھول
 مداحی علی سے یہ حاصل ہو مرتبہ
 حوریں کریں بہشت میں مجھ پر شمار پھول



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اولیت

ظاہر جہاں ہے یہی ہر نفس حق آگاہ کا
دل میں درد عشق ہے عاشقِ بے غمیں اللہ کا
ذات ہی کیا۔ بلکہ اسم ذات تک بھی لاشریک
آبروے درود دل۔ بے گریہ الفت نہیں
داوی قدس اپنا صحرائے جنوں لے قیس ہے
سعی یکساں ہے۔ طریق جستجو ہے مختلف
یہ مرا عشق مجازی ہے حقیقی واقعی
کس قیامت کا وہ لے اہل نظر ہوگا حسین
عشق کی سرکاریں فرق مراتب کچھ نہیں
جلوہ گر ہے دیدہ عشاق میں حسن پاک

دم ہما بھرتا ہے ہر دم مرغِ بسم اللہ کا
بول بالا عرشِ اعلیٰ تک ہے اپنی آہ کا
خالی ہے نقطہ سے ہر اک حرف بھی اللہ کا
وہ حساب عشق کیا جس میں نہ ہو مدد آہ کا
پاؤں کیا۔ آنکھوں میں کھلے تپتا ہوں کتاؤ کا
تو ہی ہے مقصود ہر اک سالک گمراہ کا
مُخ سوسے دار الصنم ہے قصیدت اللہ کا
غرغہ معشر لقب ہے جملگی جلوہ گاہ کا
ایک رتبہ ہے یہاں دونوں گداؤں شاہ کا
جس طرف دیکھیں نظر آئے گا نور اللہ کا

ایک ہی ہیں۔ یونہی۔ دونوں حیدر و احمد شہیر
فرق ہے لیکن مراتب میں دیر و شاہ کا

۲۴ ماہ ستمبر ۱۹۱۹ء

نہ زیب عالم امکان جو محبوب خدا ہوتا
 بنی کی قامت پر نور کا سایہ ہی کیا ہوتا
 شبِ معراج اگر پردہ بھی اٹھ جاتا تو کیا ہوتا
 شفیع المذنبین تشریف لائے خیریت گزری
 اگر کیتانی حُسنِ بنی پردہ اٹھا دیتی
 شہِ بولاک اگر ہوتے نہ اصل مقصدِ خلقت
 چھوڑا کر مجھ کو بندہ ہند سے شیریں بولتے
 تو ایسا کون ہوتا جو حبیبِ کبریا ہوتا
 برائے نام اگر ہوتا بھی تو ظلِ خدا ہوتا
 خدا اک سمت ہوتا اک طرف نور خدا ہوتا
 نہیں تو حشر میں ہم عاصیوں کا حشر کیا ہوتا
 حجابِ قدس کا رازِ خلا بھی بر ملا ہوتا
 تو پھر کتمِ عدم میں جلوۂ ارض دسما ہوتا
 تو میرا کام ہوتا یا بنی۔ نام آپ کا ہوتا

لگاتا پھرتا پھیری رات دن شیرب کی گلیوں میں

ترے در کا فقیر لے شہِ شیربے نوا ہوتا

یہ آنکھیں کھلیں جب سے کیا کیا نہ دیکھا
 یہ تنہائی دشتِ غربت کی حد ہے
 توں کی جگہ اور عاشق کے دل میں
 اگر دید سے کام ہی کچھ نہ نکلا
 لہو سے بھری اپنی چٹکی تو دھوئی
 بُرا مان جاتیں وہ بیمار آنکھیں
 مری چشمِ پُر آب اب تم نے دیکھی
 مگر دیکھنا جس کو چاہا نہ دیکھا
 کبھی دھوپ میں اپنا سایا نہ دیکھا
 یہی سنگ و شیشہ میں یار نہ دیکھا
 تو کیا فائدہ جیسے دیکھا نہ دیکھا
 مگر تم نے میرا کیلج نہ دیکھا
 یہ اچھا ہوا تجھ کو اچھا نہ دیکھا
 نہ کہنا کہ کوزے میں دریا نہ دیکھا

یہاں دیر میں کی زیارت ہوں کی وہاں کچھ حرم میں نہ پایا نہ دیکھا
کہوں کیا شہیر اس کی شوخی کا عالم
کہیں میں نے ایسا پھلاد نہ دیکھا

بیاس پراسکی مرے دل کا بھی دل بھر آیا جب زباں اپنی نکالے ترا خنجر آیا
بن کے ارمان مرے دل میں وہ خنجر آیا ظالم آیا بھی تو کیا بھیس مل کر آیا
سوئے دل شکر ہے اب ناوک دلبر آیا ایک مہمان عزیز آج مرے گھر آیا
جب کبھی اُس نے پکارا ہے کسی غیر کو بھی بول اٹھا ہے یہ میرا دل مضطر آیا
غل ہوا عاشقوں میں - ہنہ وہی پہچان لیا مجمع حشر میں جب داوڑ محشر آیا
بہنسی میں رہی کیفیتِ دورِ شراب جام کی طرح جو گردش میں مُقدّر آیا
وہ چلے جب تو نقیبانہ صدائیں دیتا اُن سے پہلے مرے گھر فتنہ محشر آیا
عدم آباد ہے کس طرح کا دلچسپ مقام جو گیا پھر نہ وہاں سے کبھی پھر کر آیا
مُحور کو تر کے بھلاوے میں نہ زند آئی گئے تونے لے شیخ کہا - اور انہیں باور آیا

سامنا تھا جو کسی شوخِ خود آرا کا شہیر
عکس بھی آئینہ میں ٹھٹھٹ بدل کر آیا

جو بام پر وہ بُت بے نقاب آئیگا نکل سکے گا نہ سورج حجاب آئیگا
ہزار پیری میں رنگِ خضاب آئیگا مگر نہ کام یہ نقلی شباب آئیگا
کیو تر اے دل مضطر شباب آئیگا ٹھہر ٹھہر - مرے خط کا جواب آئیگا

ابھی تو صفتِ دلکین کی شوقیوں کا ہے لطف
 رہا۔ آئی تو۔ تو بہ ضرور ٹوٹے گی
 عرقِ عرق نہ ہوں گرمی وصل سے کیونکر
 کبھی تو جذبِ محبت اثر دکھائیگا
 مزہ جب آئیگا جس دم شباب آئیگا
 کبھی نہ چین مجھے بے شراب آئیگا
 بڑھیکا جوش تو کھینچ کر گلاب آئیگا
 کبھی تو خط کا ہمارے جواب آئیگا

نہر پہ میچے میں اُس رشک گل کی آمد کی
 شہیر چھو لوں میں میرے گلاب آئیگا

عرش وہ آستان ہے گویا
 اب خرابے سے ہو کا عالم ہے
 ظلم اس کا عروج پر اب ہے
 کیا دھواں چھا رہا ہے آہوں کا
 کتنی پیاری ہے ناز کی تیری
 نیستی ہی ہماری ہستی ہے
 تم اگر ہو تو لطف دنیا ہے
 ذکر حوروں کا ہے مرے آگے
 لب خاموش سے نہیں جلتی
 تیر کرتا ہے خاطر میں دل کی
 تیر سا تھا جو قد شہیر کبھی
 گھر میں کرسی کی شان ہے گویا
 گر کے گھر لا مکان ہے گویا
 پیر گردوں جوان ہے گویا
 یہ بھی اک آسمان ہے گویا
 ناتوانی کی جان ہے گویا
 بے نشانی نشان ہے گویا
 جان ہے تو جہان ہے گویا
 یہ مرا امتحان ہے گویا
 لاکھ منہ میں زبان ہے گویا
 اُٹے خود میزبان ہے گویا
 اب وہ جھک کر کمان ہے گویا

گناہ سے نہیں منکر ضرور میں نے کیا
 اسی نے مجھ سے جدا کر دیا مرے دل کو
 کبھی نہ زاہد و واعظ کو پاس آنے دیا
 منگاہ پاک کی مستی ہوئی نہ دید میں کم
 قرار و صبر گئے آو ہو گئی خلوت
 کسی میں شائبہ پایا نہ حسن جاناں کا
 غفور تو ہے اگلی قصور میں نے کیا
 جسے نہ دل سے کبھی اپنے دور میں نے کیا
 ہمیشہ دور ہی سے دور دور میں نے کیا
 زیادہ کیف شراب طہور میں نے کیا
 قریب دل جو تھے اُنکو بھی دور میں نے کیا
 بہت مشاہدہ نار و نور میں نے کیا

ہمیشہ سے ہوں شہسیر اپنی بات کلیں دھنی

کما جو منہ سے اُسے بالضرور میں نے کیا

مشاعرہ رائے بریلی ۲۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء

نہ دم فوج کوئی شور نہ کچھ شہر ہوتا
 اور بالیدہ تو اے فتنہ محشر ہوتا
 اپنے آپ سے جو اُس بزم میں باہر ہوتا
 خوش مزاجی کی ہوا بزم سزائیں بندھتی
 اس قدر اُف زن لے بت ترقا صد کیوں تہا
 نیستی ہی کے لئے جب تھی یہ ساری ہستی
 دل نہ مل جاتے تو کیوں صلح سے اُکھیلیں تیں
 اچھے بہتے ہیں غل گولی میں مجھ سے وہ شہسیر
 آرزو تھی یہ کلا اور وہ خنجر ہوتا
 کسی خوش قد کے اگر پاؤں کی ٹھوکر ہوتا
 میرا ہونا بھی نہ ہونے کے برابر ہوتا
 میرے پھولوں میں جو دوری و سحر ہوتا
 جھوٹے دعووں سے نہیں کوئی پیہر ہوتا
 ایسے ہونے سے نہ ہونا کہیں بہتر ہوتا
 ٹیڑھے تم رہتے تو سیدھا نہ مقدر ہوتا
 خشو و تعقید کا جن کو نہیں کچھ ڈر ہوتا

غزلِ غنیمتِ بر طرحِ مرسلہ بسمل کراچی ۱۳ مئی ۱۹۱۶ء

میں دل کو نہ کوئی اور آزار لے خدا دینا
مگر دروغِ عشقِ محمد مصطفیٰ دینا
ابھی غنچہ افسردہ خاطر کھلا دینا
مجھے اپنے حبیبِ پاک کا روضہ دکھا دینا
غلامِ اسکا میں ہوں جسکا لقبِ سلینِ دل ہے
فرستو مرتے دمِ قرآن کی مجھ کو ہوا دینا
یہاں دنیا میں اپنے عشق سے جھٹھ عزت ہی
وہاں عقبیٰ میں بھی لے بادشاہِ دوسرا دینا
عجب لٹکا تجھے یہ یاد ہے لے زلفِ پیغمبر
پھنسا کر اپنے میں بندِ خلافت سے چھڑا دینا
یہی دو چیزیں قسمِ زل سے میں نے مانگی تھیں
دلِ دروِ آشنا و عشقِ محبوبِ خدا دینا
مدینہ کے سفرِ کاکب سے بختِ خفہ عادم ہے
زرا اسے نالہ شب گیر اسکو بھی بگا دینا

فقیرِ عشقِ پیغمبر ہوں میں دیوانہ الفت

صدایہ گلیوں میں پھر پھر شہرِ شہید بنو دینا

۱۴ مئی ۱۹۱۶ء

نہ اپنے کشتہِ غیظ و غضب کو تم بھلا دینا
بجائے محلِ سعد پر آکے تیوری ہی چڑھا دینا
اجی تم عرصہ محشر کو بھی مقتل بنا دینا
وہاں بھی ہاتھ سے اپنے نہ شمشیر ادا دینا
تیری رفتار بھی لے فتنہ قامت کی قیامت سے
گزرتا جس طرف ہنگامہ محشر مچا دینا
مرا دم گھٹ رہا ہے گرمیِ شوقِ شہادت سے
فراموشی کے دامن سے قاتل ہوا دینا
فقیرِ عشق و الفت ہوں مرا تو یہ وظیفہ ہے
کسی کے پیلے من کی گالیاں کھا کر دعا دینا
ضرورت کیا میں کیوں منت کش شوقِ قیامتوں
لگا کر ایک ٹھوکر قبر سے مجھ کو اٹھا دینا

بلائے سے تھائے کیا عجب، پھر پلٹ گئے
 زرا بڑھکر ہماری عمر رفتہ کو صدودینا
 حضورِ داوڑِ محشر - بیانِ واقعاتی میں
 کبھی کبچہ بھول جاول میں تو تم جھکوتا دینا
 ہمائے سوگ میں اس سہمی کو تم اٹھادینا
 ہرگز نہ پیائے پیئے ہانکی

شہسیر چشم دریا بار سے اپنی یہ حالت ہے
 حماں جا بیٹھنا دم بھر وہیں طوقاں اٹھادینا
 طرح غنچہ جاوید ماہ اگست ۱۹۷۹ء

زیادہ سارو سماں کچھ نہیں لے باغباں میرا
 بنا ہے چارنگوں سے چمن میں آشیاں میرا
 شبابِ یوفا کی کس سے لے پیری نہر مٹی
 پھر اب تک نہ جا کر قاصدِ عمر رواں میرا
 وفاداری کے جوہر آپ ہو جائینگے آئینہ
 تھیں خود حال کھل جائیگا وقت امتحان میرا
 رواں ہے قافلہ اشکوں کا ہر دم چشمِ گریاں سے
 چلا جاتا ہے روز و شب برابر کارواں میرا
 اٹھائے عرضِ مطلب میں غضب کی کامیابی ہے
 عجب حسنِ طلب رکھتا ہے اندازِ نغاں میرا
 تفاوت ہے زمینِ آسمان کا عجز و نخوت میں
 خیالِ حسن و عشق لے دل کہاں اٹھاکھاں میرا

شبِ فرقت کا سویا شورِ صبحِ حشر سے بچو نکا
 شہسیر اس سے زیادہ ہو گا کیا خوب گراں میرا

غنچہ جاوید ۱۶ ستمبر ۱۹۷۹ء

تا دامنِ جاناں وہ رسا ہو نہیں سکتا
 جو ہاتھ کبھی دل سے جدا ہو نہیں سکتا
 ہو سکے کو یوں آپ سے کیا ہو نہیں سکتا
 ہوا لکھ - مگر عہدِ وفا ہو نہیں سکتا

سایہ سے بھی میرے ہے اثر ضعف کا ظاہر
کیوں قتل کے اقرار میں تم کو ہے تامل
پیکان ترے تیر کا بیوست ہے دل میں
آزار محبت مجھے لے چارہ گرد ہے
کیا داؤدِ محشر سے کروں شکوہ بیداد
دل تم سے لگا کر میں کسی اور کو چاہوں
دشوار یہ ہے دل نہ بچھے آہ کشی میں
صورت ہی بنا دیتی ہے ہر آن کو مشکل
نخوت کا اودھڑھنگا دھڑ بجز کا آہنگ
قاتل سے جوں جال جائے وہ قاتل ہے قاتل ہے
جب تک نہ ہو دیوار کھڑا ہو نہیں سکتا
کیا عہد وفا ہے کہ وفا ہو نہیں سکتا
اب گوشت سے ناخن تو جدا ہو نہیں سکتا
میں قاتلِ تاثیر دوا ہو نہیں سکتا
مجھ سے تو حسینوں کا کلا ہو نہیں سکتا
ایسا کبھی مجھ سے بخدا ہو نہیں سکتا
یک جا ہوں بہم شمع و ہوا ہو نہیں سکتا
بے حسن کے انداز ادا ہو نہیں سکتا
وہ مل نہیں سکتے میں جدا ہو نہیں سکتا
یہ دشمن جاں دوست مرا ہو نہیں سکتا

باز آئے پیری میں تو اس بواہوی سے

اب بھی یہ شہیر آپ سے کیا ہو نہیں سکتا

مطبوعہ باغ سخن ماہ جولائی سنہ ۱۳۵۷

لے اجل آ۔ فراق یار میں آ
کیا ترا کام وصل میں لے نیند
کمتی ہے پائے شوق سے وحشت
جیتے جی سیرِ خلد کر لے شیخ
کب سے ہوں تیرے انتظار میں آ
ہجر میں کد مرے مزار میں آ
سوئے صحرا ہوائے خار میں آ
آمرے ساتھ کوئے یار میں آ

اے غم مرگِ آرزو نہ بھٹک تو مرے قلب سو گوار میں آ
 جس طرح آتی ہے خوشی دل میں یہیں اے موت ہجر یار میں آ
 اُن سے قول و قرار ہوتا ہے اب تو اے دل زرا قرار میں آ
 کنجِ عزت سے لے شہیرِ نکل
 بزمِ رندان بادہ خوار میں آ

غزل مشاعرہ اگرہ ۱۲ جولائی ۱۹۷۷ء

دم کج زیرِ خنجر متا تل نکل گیا
 کٹھرانہ دل میں ناوک قاتل نکل گیا
 آخرِ کلیم لانا سکے تاب برق طور
 نورِ جمال یار کہاں آئینہ کہاں
 تم نے اٹائے حسن میں ہمدردیاں جو کہیں
 بہرِ عیادت آئے وہ بعد اجل تو کیا
 خطا دیکھ اُن کے نام کا میں خود ہی شوق میں
 میری گلی سے شب کو نہ گزرا وہ ریشمِ ماہ
 آنسو کی اب تری بھی پلک پر نہیں ہی
 حیرت نہ کیوں ہو واعظِ ناداں کی علم پر
 خونِ جگر کو پی کے ہوا ہو گیا وہ تیر
 سب عمر بھر کا حوصلہ دل نکل گیا
 مہمان گھر میں ہوتے ہی داخل نکل گیا
 جتنا تھا زعمِ دعویٰ باطل نکل گیا
 حیران ہو کے مدِ مقابل نکل گیا
 قابو سے میرے اور مراد دل نکل گیا
 جو وقت تھا مرے لئے مشکل نکل گیا
 ہمراہ نامہ بر کئی مسندِ نکل گیا
 کتر کے ماستہ مہر کامل نکل گیا
 دریاے اشک چھوڑ کے ساحل نکل گیا
 کیسا پڑھا لکھا ہوا جاہل نکل گیا
 مطلب جب اُسکا ہو گیا حاصل نکل گیا

مقتل میں نغش کشتہ بیل پڑی ہی بسل تورہ گیا دم بسل نکل گیا
 پہروں بہارِ کوچہ جنت وہاں ہی جس راہ سے وہ حورِ شامیل نکل گیا
 اقرارِ فوج کر کے نہ وعدہ کیا وفا دیکر زبانِ خنجر قاتل نکل گیا

خالِ رخ نگار جسے جانتے تھے ہم

آخرِ شہیر آنکھ کا وہ تل نکل گیا

آئینہ خانہ میں جب وہ جلوہ آرا ہو گیا عالم وحدت میں کثرت کا تماشا ہو گیا
 آستینیں فیض چشم تر سے موجیں بن گئیں اشکوں سے دامن مرا دریا ہو گیا
 خاکساری سے صفائی قلب کے جوہر کھلے راکھ کے ملنے سے آئینہ مصفا ہو گیا
 آج وہ بے چارا بیمارِ محبت چل بسا تم جسے کل تک سمجھتے تھے کہ اچھا ہو گیا
 دردِ دل کو ساتھ لیکر بزمِ جاناں سے اٹھا بیٹھے بھٹلائے خدا جانے مجھے کیا ہو گیا
 ذکر پر محرابِ ابرو کے جھکا سر شوق میں آیتِ سجدہ کو سن کر فرضِ سجدہ ہو گیا
 زرد چہرہ لبِ پرآہر آنکھوں میں آنسو دلیں درد چارہ ہی دن میں یہ کیسا حال میرا ہو گیا
 بہتے بہتے بوند بوند آنسو کے سیلاب آ گیا قطرہ قطرہ جمع ہوتے ہوتے دریا ہو گیا

ہو گئے مشہور حسن و عشق سے دونوں شہیر

ہر جگہ چمچا مرا اور اُن کا شہرا ہو گیا

بر طرحِ فرما نغشی قلم برداشتہ جولانیِ خلائق

دل نے سوز و غم و الفت کا سبق سیکھ لیا مطلب و معنی مضمونِ ادق سیکھ لیا

عشق میں ہوتا ہے کس درجہ قلق سیکھ لیا ہم نے غنماۃ الفت کا سبق سیکھ لیا
 بعد محنوں میں ہوا بادشہ ملک جنوں کشورِ حسن کا سب نظم و نسق سیکھ لیا
 کامل فن ہوں تو آموزِ محبت نہیں اب سیکھ لینے کا جہا تک کہ کتنا حق سیکھ لیا
 صدمہ ہجر میں بے تابی دل نے آخر غم سے جس طرح جگر ہوتا ہے شق سیکھ لیا
 ہوشیاری سے بھی دیوانگی خالی نہ رہی عقل کو کھوکھو کے محبت کا سبق سیکھ لیا
 یوفائی سے تری اور وفا سے اپنی میں نے الحق سبقِ ناحق و حق سیکھ لیا
 جو پڑھایا ہمیں استادِ ازل نے وہ پڑھا جو سکھایا ہمیں فطرت نے سبق سیکھ لیا

کیوں ہو پروا مجھے اطلاقِ توانی کی تھیر
 میں نے جب قاعدہ نظم و نسق سیکھ لیا

غزلِ تفسیر بر صریح طرح

فیض کا مبداءِ فیاض نے حق سیکھ لیا اُس نے تجھ سے ہی کربی کا سبق سیکھ لیا
 تو کریم اور الہی ترا محبوب کریم اُس نے تجھ سے ہی کربی کا سبق سیکھ لیا
 کیوں پیمر کو نہ ہو امتِ عاصی کا خیال اُس نے تجھ سے ہی کربی کا سبق سیکھ لیا
 کیوں نہ ہو فیضِ اتم تیرے کرم کا ممنون اُس نے تجھ سے ہی کربی کا سبق سیکھ لیا
 تجھ سے رجن و رحیمی کی صفت سے موصوف اُس نے تجھ سے ہی کربی کا سبق سیکھ لیا
 تیرے فیضانِ کرم سے ہے کرم بھی ممنون اُس نے تجھ سے ہی کربی کا سبق سیکھ لیا
 اک نمونہ تری رحمت کا ہے یہ فیضِ مطہر اُس نے تجھ سے ہی کربی کا سبق سیکھ لیا

ہمڑاں سب صفت ابرکرم میں ہیں جیسی اُس نے تجھ سے ہی کر لی کا سبق سیکھ لیا
 جس میں جس میں صفت جود و عطا ہے یا رب اُس نے تجھ سے ہی کر لی کا سبق سیکھ لیا
 سب یہ تفصیل میں اس طرح کے مصع کی شہیر
 اُس نے تجھ سے ہی کر لی کا سبق سیکھ لیا

۱۰ اگست ۱۹۷۷ء

جمال شاید کیتا کا جلوہ یار میں دیکھا جو رنگ حسن اصلی ہے گل رخسار میں دیکھا
 تماشا یہ دم نظارہ دید یار میں دیکھا کہ اپنا عکس اُس آئینہ رخسار میں دیکھا
 برابر ہی ہے حق و عشق میں تعداد حرفوں کی فقط واو و الف کا فرق نور و نار میں دیکھا
 کرم میں بھی حسینوں کے ستم کی جذبہ داری ہے دل آزاری کا پہلو بھی تو نیلے پیار میں دیکھا
 دماغ شیخ تھاپر نور شب کو جہاں آباد ہے پہرے اک ہم نے روشن گنبد ستار میں دیکھا
 ازل سے دیدہ مشتاق بن بھی کے ہر باتے بحد و تداب اس کو جمال یار میں دیکھا
 چھپائے سے کہیں حسن جہاں انور چھپا ہے اسی کو نور میں دیکھا
 لبو میں لاکھ ڈوبے خون کا دھبہ نہیں آتا یہ جو ہر بھی تمھاری تیغ جوہر میں دیکھا
 نہیں ہیں مانع صحرانوردی پائوں کے چھلے تمھارے دھنیوں کو وادی پرخار میں دیکھا
 عیاں ہے پردہ داری میں بھی شان جلو آرائی تماشا ہے حجابی کا حجاب یار میں دیکھا

ہیں ہیں جب شہیر آئیں کسی خوشی طلعت
 شعاع مہر کا عالم نظر کے تار میں دیکھا

پہلی سہ ماہی

نہ نقاب رخ کو جس کبھی وقت خواب الٹا
دہی ساتھ سو کے غیر ونکے ہو بے حجاب الٹا
ہوا خط کا لے ہی جانا سبب عتاب الٹا
کہ طلب ہے نامہ برے مجھے اب جواب الٹا
تری ٹھنڈی گریوں نے مجھے خوب ہی جلایا
تری سر دھریوں سے ہوا دل کباب الٹا
میں دعائیں بھی اگر دوں تو وہ گالیاں سنائیں
ہو سوال لاکھ سیدھا تو نے جواب الٹا
مرے خط کو چاک کر کے دیا نامہ بر کو اس نے
کہا جا اسی کو لے جایا ہی ہے جواب الٹا
تری دیکھ کر جوانی یہ مجھے بھی جوش آیا
کہ ہوا یقین مجھ کو مرا پھر شباب الٹا
شب روز-زیر بالا ہوا کرتا ہے ازل سے
مگرے فلک نہ اب تک کبھی آفتاب الٹا
کہا مجھ کو جس نے جو جو اسے چپکے سن لیا سب
کبھی بھول کر کسی کو نہ دیا جواب الٹا
نہ ادا ہو قرض الفت کوئی لاکھ نقد جانے
یہ ہے دفتر محبت کا عجب حساب الٹا
بچے مست بے چہ ہم جو گھٹائیں کالی اٹھیں
نہ ملی تو لفظ بارش کو پئے شراب الٹا
وہاں نکلی افسانہ میں قیب شانہ کش ہے
یہاں ہو رہا ہے دل کو مئے پیچ و تاب الٹا
مرے بخت وارگوں کی یہ تیسر ہے برائی
کیا کام بھی جو اچھا وہ ہوا خراب الٹا

شہ مشرقین حیدر نے شہیر جب بلایا

تو غروب ہو کے مغرب سے پھر آفتاب الٹا

۱۸ نومبر ۱۹۷۷ء

ہیں تو دونوں طح منت کش تیریا رہتا وہ انک کے دل میں ہتا کہ جگر کے پار ہوتا

تری رحتوں کا کس منہ سے امیدوار ہوتا
 اگر اور جذبہ دل مرا زور دار ہوتا
 جو نہ امتِ معاصی سے نہ اشکبار ہوتا
 یہ تھی منصفی ناوک رہا دل میں جو ترازو
 اگر آگ کے جلے کی نہ دوا بھی آگ ہوتی
 جسے رہتارِ حمتِ حق سے غروبے نیازی
 نہ نصیب ہوتا سایہ کبھی وادی جنوں میں
 نہ دہانِ زخم ہنستے نہ میں پھوٹ پھوٹتا
 ہوا خوب جذبِ دل نے ترے تیر کو جو روکا
 وہی ہاں نظر نظر تھی مے دل سے جو گزرتی
 مے قلبِ مضطرب کا تو مدارِ چرخ پر تھا
 مے دل میں خاہشت کی کھٹک ہی کیوں ہوتی
 جو دہانِ زخمِ دل میں نہ زبان بنتا خنجر
 مے اک کراہنے پر تو ہے اتہامِ نالہ

دمِ نزع ایک ہچکی سے نہ آہ ٹوٹ جاتا
 جو شہسیر کچھ بھی تارِ نفس استوار ہوتا

جنوری ۱۹۲۰ء

چشمِ جانوں نے مریضِ غم کو اچھا کر دیا
دل سے نالوں نے نخلِ کرفاش پروا کر دیا
رُوکے اس محفل میں رازِ عشق افشا کر دیا
جامِ مے منہ سے لگاتے ہی ہوئی بکسِ شمع
یا وہ عزت تھی مری یا اب ہے یہ ذلت میری
اُنکی آمدن کے یوں گھر میں کیا اظہارِ شوق
رات کو کیوں میرے گھر آنے کی کھاٹیے قسم
حسنِ پردہ درتھارا عشق بے پروا مرا
دیکھنے ہی سے ہوس بھی دیکھنے کی بڑھ گئی
ایک دل ہی تو رفیقِ راہِ غربت تھا مرا
جوشِ گریہ میں بھی اک آنسو نہ پکا اکھڑے
یہ نہ سوچا ہے نظرِ بازی میں خطرہ جان کا
ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا دعوتِ غم کے لئے
کسطحِ ٹھہرایا لے قاتلِ دلِ بیتاب کو
خیر دلِ لیجاؤ مجھ بکیں کا والی ہے خدا
یہ شرارت تھی شبِ غم کی کہ میری نبی نے

مردمِ بیمار نے کارِ مسیحا کر دیا
خود بھی رسوا ہو گئے مجھ کو بھی رسوا کر دیا
چار ہچیشوں میں ان آنکھوں کو رسوا کر دیا
مجھ کو اے ساقی بے سارے کو یا کر دیا
عشقِ انصاف نے کیا سے مجھے کیا کر دیا
کھول کر ہر در کو آغوشِ تما کر دیا
ہائے یہ اندھیر کیا اے ماہِ سیما کر دیا
مل کے ان دونوں نے ہم دونوں کو اک کر دیا
شربتِ دیدار ہی نے اور سیہ سا کر دیا
اُس سے بھی تم نے چھڑا کر مجھ کو تنہا کر دیا
بند میرے ضبط نے کوزے میں دریا کر دیا
شوقِ بے حد نے مجھے الفت میں اندھا کر دیا
صرف گریہ میں نے سب خونِ تما کر دیا
کون سی بولی تھی کشتہ جس سے پار کر دیا
دیگا وہ نعم البدل تم نے تو تنہا کر دیا
دستِ عیسیٰ کو جلا کر دستِ موسا کر دیا

یار احساں اور مرے پر ہمارے رکھ دیا تم نے کانڈھا دے کے کیوں بھاری جنازہ کو دیا
سینہ سوزاں پر اُس نے ہاتھ رکھ کر لئے سہیر
عاشقِ دل تفتہ کا ٹھنڈا کلیجہ کر دیا

پانچ سلسلہ

دل نے انڑ کاوشِ مڑگاں نہیں دیکھا آنکھوں سے رواں خونِ رگِ جان نہیں دیکھا
کیوں پھر مجھے اے عیسیٰ دورانِ نہیں دیکھا کیا دردِ مرا قابلِ درماں نہیں دیکھا
بے جان دے کوچہ جاناں نہیں دیکھا جب تک نہ مرے روضہ ضیاء نہیں دیکھا
رستہ نہ ملا اس کو بیا بان جنوں سے جس نے کہ مرا چاک گریباں نہیں دیکھا
برہ برہ کبھی شیخ بناتا ہے یہ باتیں اس نے کوئی خارِ تگرایاں نہیں دیکھا
جسِ دشت میں رہا رہنا وحشتِ الفت تم نے اُسے اے غمِ بیا باں نہیں دیکھا
نکڑا نہ کہیں سے بھی ملا دستِ بزل کو جب تک کہ درِ چاک گریباں نہیں دیکھا
واغوں سے ہے کیا رنگِ پین سے دنِ حشری ایسا کہیں حرام میں گستاں نہیں دیکھا
بھولا ہوا ہے شیخِ حرم اپنے حجرِ پیر سے اس نے ابھی سنگِ درجاناں نہیں دیکھا

جز اس بت کا ذکر کے سہیر آنکھوں نے اب تک

غارت گردیں رہزنِ ایماں نہیں دیکھا

جنوری ۱۹۲۱ء

فراقِ مع و تن کیا ہے وصالِ یار ہو جانا خوشی عشق کیا ہے جان سے بیزار ہو جانا

میں مرجاؤں تو جا کر ناز کی یار ہو جانا
 جو ممکن ہو حسینوں کے گھٹے کا ہار ہو جانا
 حقیقی معنوں میں غفلت سے ہے ہشیار ہو جانا
 نہیں کچھ دل لگی قلب و جگر کے پار ہو جانا
 مگر تو تر جان حسرت دیدار ہو جانا
 مبارک آپ کو ہو یوسف بازار ہو جانا
 وہی تلواریا کم تھی پھر اس پر دھار ہو جانا
 طلوع صبح محشر ہو تو تم بیسار ہو جانا
 مبارک ہو گیا مجھ کو مرا بیسار ہو جانا

اگر تم کو شہسیر ایسا ہی شوق پائے گا ہے
 تو اپنے کو مٹا کر خاک راہ یار ہو جانا

جوانی ۲۲ سنہ

یہ کہاں لایا کہاں سے پھیر مجھ کو راہ کا
 جانتے ہیں اہل درد لے عشق رتبہ آہ کا
 عالم غربت میں کافی ہے یہی رخت سفر
 آسرا عمر دو روزہ کا پئے طول اہل
 آگیا بت نازے میں تھا قہریت اند کا
 یعنی حرف اول و آخر ہے وہ اند کا
 زیب تن پیراہن خاکی ہے گرد راہ کو
 اوڑھنا ہے سر سے تا پا چادر کوتاہ کا
 ہے محیط عشق میں دشوار پانا تھا کا
 نعر میں یہ تک پہنچ سکتی نہیں سطحی نظر

خواہشِ وصلِ عروسِ مرگ یوں پیری میں ہے تھا جوانی میں کبھی ارمان جیسے بیاہ کا
شوق سے لو غلامِ الفت سے خدمتِ مفت کی بندہ بے دام ہوں طالب نہیں تنخواہ کا
ہمت افزا ہو گیا اسے ساقی تو بہ شکن ساغرے دیکے کہنا تیرا بسمِ اسد کا
کیوں نکیریں آکے مرقد میں جگاتے ہیں مجھے سوئے دیں بھر نیندا بھی ہے کس بقا کی راہ کا

موت کی تمنی بھی ہے اسکو گورالے شہیر
پڑ گیا چسکا جسے ذوقِ فنا فی اللہ کا

اعلیٰ ہے زبیں مشربِ زندانہ ہمارا کیوں کا سہ گردوں نہ ہو پیمانہ ہمارا
وحشت سے بھرا ہے دلِ دیوانہ ہمارا آبادی سے باہر نہیں ویرانہ ہمارا
وہ دیکھ کے بجلی کی چمک کالی گھٹائیں کہتے ہیں یہ ہے جلوہٴ مستانہ ہمارا
دو دو اتنے ہیں مختلف اوقات کے کیساں ایک تیس کا قصہ ہے اک افسانہ ہمارا
وہ حسن میں ہیں فرد تو ہم عشق میں کیتا دونوں میں کہیں مثل نہ انکانہ ہمارا
آٹھ ہے ترس انکو مرے جالِ زربوں پر کہتے ہیں یہ بیچارہ ہے دیوانہ ہمارا
گھر آپکا جب دل ہے تو یہ دل ہی ہے معبد کعبہ نہ ہمارا ہے نہ بت خانہ ہمارا
غیب بھر نہ تھے دیدہ پر آب سے آنسو تا صبح پھلکتا رہا پمیانہ ہمارا
ہے جلوہٴ مشوقِ ازلِ حسنِ تباں میں آباد ابد تک رہے بت خانہ ہمارا
ساقی تنگِ ظرف سے کہدو خمِ مے لائے کوزوں سے نہیں بھرنے کا پیمانہ ہمارا
باہرِ حدِ کونین سے صحراے جنوں ہے عالم ہی جدا رکھتا ہے ویرانہ ہمارا

فقروں میں نہیں شیخ و برہن کے ہم آتے
مذہب ہے شہسیر ان سے جدا گانہ ہمارا
۱۸ نومبر ۱۹۷۷ء

جو عالم گیر تیرے عشق کا آزار ہو جاتا تو یہ فرش زمیں سب بستر بیمار ہو جاتا
نہ مجھ پر شاق اگر اتنا فراق یار ہو جاتا تو قبل از موت میں کیوں مرے کو تیار ہو جاتا
اگر پھولوں میں کئے تھے تو چار آنسو بہا لیتے مری بزمِ عزاکا بھی مائل کار ہو جاتا
یقیناً خاک کا ہرزہ تارا آنکھ کا بنتا اگر میں پائمال حسرت دیدار ہو جاتا
جو دنیا میں نہیں ممکن تو محشر ہی پہی چھا کہیں پورا کبھی تو وعدہ دیدار ہو جاتا
اجل نے مشکلیں آسان کر دیں سو فرقت کی نہیں تو ہجر میں جیتا مجھے دشوار ہو جاتا
جو وہ آتے تجلی طور کی گھر میں نظر آتی لے کچھ اور ہی رنگ درو دیوار ہو جاتا
اگر دو گھونٹ مجھ کو بادۂ عرفان کے مل جاتے
شہسیر اس مستی غفلت سے میں ہشیار ہو جاتا

کفر و ایمان دونوں سے تا وقت آخر کام تھا دل میں تھی یاد بتاں ب پر خدا کا نام تھا
جس کا ٹلنا غیر ممکن جس کا سننا ناگزیر وہ اجل کا وقت تھا وہ موت کا پیغام تھا
بے خودی میں ہوتے کیا اسم و سما آشنا نام سے بیگانہ میں بیگانہ مجھ سے نام تھا
لے ہی لی صبر آزمائوں سے شکیبائی کی لاد لے کمال صبر کیا کہنا یہ تیرا کام تھا
ہو گئی تھیں جمع دنیا بھر کی آخر حسرتیں اک جہان آرزو میرا دل ناکام تھا

عرضِ غلب کے لئے خود تھی مری صورتِ ال آپ ہی پیغامبر تھا آپ ہی پیغام تھا
 تھا شہیر از بس میں مست بادہ خم غدیر
 ساقی کوثر کا مرتے دم بھی لب پر نام تھا

نومبر سنہ

زمر زبانی کا مرغانِ چین میں جوش تھا صبح دم جو گل جہاں تھا وہ ہمتِ گنجش تھا
 کر دیا زورِ جمالِ یار کو برقِ جلال ایک جلوہ طور کا غارت گر صد ہوش تھا
 دیتا کا نہ کیا مرے تابوت کو وہ نازیں جس کو بارِ سایہ کا کل و بال دوش تھا
 صبحِ زہمت اُنکے جانے سے چو پہلے چلے وہ دل بیتاب کا صبر اور میرا جوش تھا
 شبِ بانی کی کئی پیری میں آیا خوابِ مرگ صبح دم کو یا چراغِ زندگی خاموش تھا
 گرمِ محبت دہنوں تھے خفا نہ تو حید میں حسن ساقی تھا اگر تو عشقِ بادہ نوش تھا
 دینے لگتی تھی سو خود پھٹ کے لگائے جنوں فصلِ گل تھی خون میں سودا یوں کے جوش تھا
 خاکِ آزادی سے کرتا سیرِ حرائے جنوں ہر قدم پر تو بچھا دامِ فریب ہوش تھا

پھولِ زہنوں کے کھلے تھے میرے انصافِ کمر

میں سراپا فیضِ تیغِ ناز سے گلِ پوش تھا



رولیت ب

۳۲۰ء

چاند کیا ہو گا رخ پر نور قاتل کا جواب
 وصل میں مل کر مرادل ہے ترے دل کا جواب
 اپنے منہ بھریا تو لیتے یہ دہان زخم دل
 سرخ رو رنگ حنا ہے دست قاتل چوم کر
 خونِ ناحق کی مرے دنیا میں کیا پرسش ہوئی
 نوجوانی نے لگائے اور تم میں چار چاند
 اپنے عاشق پر سبھی معشوق کرتے ہیں ستم
 یوں تو ہر اک اپنے پہلو میں لے پھرتا ہے دل
 جو تمہارا گھر ہے وہ کوئین میں بے مثل ہے
 غیر ممکن ہے کہ ناقص سے ہو کامل کا جواب
 آج اجڑا جھونپڑا ہے عیش منزل کا جواب
 من تو لیتے کچھ لب شمشیر قاتل کا جواب
 کیوں نہ اب اپنے کو سمجھے خونِ سہل کا جواب
 اب جو محشر میں لیا جائیگا قاتل کا جواب
 ہو گئے چودہ برس میں ماہ کامل کا جواب
 حشر میں تھا کس صفائی سے یہ قاتل کا جواب
 پھر بھی لاکھوں میں نہیں لے بتائے دل کا جواب
 تم ہو جس دل میں نہیں دنیا میں اس دل کا جواب

دیکھنا سوزِ من سے بڑھتے بڑھتے لے شمشیر
 میرے دل کا آبلہ ہو جائیگا دل کا جواب

خونِ ناحق میرا ٹھہرا سہی باطل کا جواب
 شرمِ مقتول کو سو جہانہ قاتل کا جواب
 منزلِ تر آں نہیں ہے اُن کی منزل کا جواب
 اُن کا گھری جب دل ٹھہرا تو کیا دل کا جواب

غزروں کی بھیبی آپ اپنی ہے مثال
اک ہلال عید قرباں ہے سو وہ بھی چرخ پر
کوئی دنیا میں نہیں شمشیر قاتل کا جواب
صوفیو میناے ہے شیشہ دل کا جواب
اک چراغ طور ہے اس شمع محفل کا جواب
جز خموشی اور کیا ہے لیے جاہل کا جواب
ورنہ ہے آسان اُس ارشاد شکل کا جواب
وہ اگر بجلی گراتا ہے تو یہ افلاک کو
پھوٹی قسمت ہے مے لٹے ہوئے دل کا جواب

جل رہا ہے نل بھوم یاسن حبل سے شمشیر
یہ بھی سوزنم ہے اُس شمع محفل کا جواب

صورت ابر بہاری روز و شب
یہ ہے اب حالت ہماری روز و شب
رہتی ہے اب اشک باری روز و شب
رہتے ہیں مصروف زاری روز و شب
جب غشی رہتی ہو طاری روز و شب
کوئی صورت بیماری سپاری روز و شب
تا کجا فریاد زاری روز و شب
چلتی ہے باد بہاری روز و شب
کون کرتا عم گساری روز و شب
رہتی ہے باد بہاری روز و شب
بے خود عشق آپ میں کسوقت آئیں
رہتی ہے چشم تصور کے حضور
آہ و شیون کی بھی آخر کچھ ہے حد
بلبلیں بھرتی ہیں آپیں دم بدم
دل کو ہلاتی نہ اُن کی یاد اگر
نقظر انکی سواری کو شمشیر

رولیت پ

جنوری سنہ ۱۹۱۶ء

دن کو بھی میرے سیدھے خانہ میں کپاتی ہو دھوپ
نالہ ہائے گرم سے آتشکدہ ہے گھر مرا
گرمی حسن جوانی سے بڑھے کیونکہ روپ
دیتی ہے صحرائے بے سایہ میں من بھر میرا ساتھ
دینے دیتی نہیں اُس سایہ دیوار میں
اوس کھا کھارات، بھر ٹھنڈا جو ہو جاتا ہوں میں
دینے دیتی نہیں اس رخ کی بستی ہے تنہا
اے شہیر آئینہ کو جس طرح چمکاتی ہے دھوپ

رولیت ت

دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء

میرے پہلو میں ہے وہ رنگ قرآن کی رات
نیت کا وصل میں ہو گا نہ گزر آج کی رات
جا کے غیروں میں رہتے درجہ آج کی رات
رات جگا آکے کریگی مرے گھر آج کی رات

کس کے گھر جایگا وہ رشتہ قرآن کی رات
چاند کلیگا خدا جانے کہ ہر آج کی رات
یہ شب وصل شب ہجر سے یارب بڑھ جائے
روزِ فردا کی کبھی ہو نہ سحر آج کی رات
زلف کی آڑ میں دل لے اڑی شوخی نگاہ
پاگئی رڑھونڈھتی تھی جسکو نظر آج کی رات

قطع

کتنے والی نظر آتی نہیں یہ ہجر کی شب
ہو نہیں سکتی کسی طرح بسر آج کی رات
نہ کسی سمت سے آوازِ ازاں آتی ہے
بوتا ہے نہ کہیں مرغِ سحر آج کی رات
رخصت لے زینت کہ شامِ شبِ غم آتی ہے
اپنا اس وارفتا سے ہے سفر آج کی رات
زندگانی کا نتیجہ ہے یہی مدتِ وصل
حاصل عمر میں یہ چار پہر آج کی رات

کیا شب وصل بھلا دخلِ حیا کا ہے شہیر
کدو جا بیٹھے پس پردہ در آج کی رات

جنوری ۱۹۱۷ء

تیرے لے غیرتِ یوسف ہیں خریدارِ بہت
اندنوں بڑھ گئی ہے گرمی بازارِ بہت
اک دل زار مرا اور دل زارِ بہت
ہائے تنہا یہ ستم کش ہے تم نگارِ بہت
دل ہو تو دلہ ہی کرنے کو ہیں دلدارِ بہت
مال اچھا ہو تو لینے کو خریدارِ بہت
خانہ بربادوں کو ایوان و مکاں سے کیا کا
بے گھر وں کو ہے ترا سایہ دیوارِ بہت
بہر سے تو کچھ نہیں سودے محبت میں کمی
دل سلامت ہے تو مل جائیگے دلدارِ بہت
اٹھو کمرے میں چلیں لطفتِ آرام کریں
منہ برستا ہے یہاں آتی ہے بوجھارِ بہت

طے کرونگائیں رہ عشق کو پامردی سے دشت و کسار ہوں یاد ادی پر خار بہت
 آپ کی باتوں میں والد مزہ آتا ہے مجھ کو مرغوب ہے شیرینی گفتار بہت
 ارد گرد آپ کے گھر کے ہے ہجوم عشاق پیش دروازہ بہت ہیں پس دیوار بہت
 جو شہسیران کی ادا ہے وہ کسی کی بھی نہیں
 یوں تو ہونے کو ہیں دنیا میں طر حصار بہت

رویت ٹ

خوبصورت ہے جیسا تیرا پیٹ ایسا دیکھا نہیں کسی کا پیٹ
 دیکھ کر بھوک پیاس مرنی ہے روح پرور رہت پھر بھی ان کا پیٹ
 نعمت فقر و فاقہ مستی سے سیر ہوں میں بھرا ہے میرا پیٹ
 روز پیتی ہے خون ان کی تیغ پھر بھی بھرتا نہیں ہے اسکا پیٹ
 مست ہیں انکی چشم مست سے ہم بے پے بھر گیا ہے اپنا پیٹ
 پی کے رندوں میں شور و غل اٹھا کیوں نہ چمکیں بھرا ہے انکا پیٹ
 لے شہسیر اک غم معیشت سے
 کتنا بدنام ہے بچارا پیٹ

روایت

فردی سلسلہ

لے دل امید وصل کی رکھتا ہے تو عبث
 حیران نصیبوں کو ہے تمنا کی نوعبث
 نیت نماز کی ہو تو کیوں ہو وضو عبث
 ساقی نہیں توشیشہ و جام و سہو عبث
 کرتے ہیں میرے چاک بگر کو رغو عبث
 مجھ کو ستانہ لے دل پر آرزو عبث
 ناصق پھرے ہم اُن کے لئے کو بکو عبث
 مرقد میں منہ مرا سوئے بیخاں پھر گیا
 تم منہ لگو نہ واعظ و تاصح کے لئے شہیر
 یہ یادہ گو ہیں ان کی ہے سب گفتگو عبث

سلسلہ

چڑھی رہتی ہے تیوری غصہ میں لے یا کیا باعش
 کھنچی ہی رہتی ہے بروم تری تلوار کیا باعش
 ترا پڑھتے ہیں کلمہ کا فردین دار کیا باعش
 نہیں ہے اب نزاع سجدہ و زنا کیا باعش

جو ہر دم میان سجا ہر بار کرتی تھی چار انگل کمر سے اب نہیں کھینچتی وہی تلوار کیا باعث
پڑا ہر چند پالا بھی بتوں کی سزمہری سے ہوئی ٹھنڈی نہ لیکن آہ آتشبار کیا باعث

شہیر اسطرح میں گوتانیوں کی کچھ نہیں تنگی
ردیف اکثر مگر ہو جاتی ہے بیکار کیا باعث

ردیف ج

۷ اراگست ۱۹۷۷ء

سیر دریا میں اُنھیں ہر گرم جب پاتی ہے موج پیچھے پیچھے بھرے کے کوسوں چلی جاتی ہے موج
دیکھ کر اُن کو کنار آب لہراتی ہے موج جب چلے جاتے ہیں سر سناٹے لگاتی ہے موج
گاہ دامن چشم تر پر رکھتے ہیں گاہ آستیں جوش پہ بھر گریہ موج پر آتی ہے موج
آہ و گریہ سے خس طوفانی دریا ہوں میں رخ ہوا کا جسطرف پلتی ہے لیماتی ہے موج
ایک قطرہ بھی نہیں میخانہ بھر میں چھوڑتے جبکہ دریا نوشوں کو ہینے کی آجاتی ہے موج
پاؤں نہ سونے بیٹھتے ہیں جب کنار آب وہ شوق پاہوسی میں تاسا سائل چلی آتی ہے موج

دیدہ پر آب سے اٹھتا ہے جب طوفان اشک

آسمانوں سے شہیر ادھر گزر جاتی ہے موج

۲ دسمبر ۱۹۷۷ء

سوطح کے وہم مجھ بیمار کو ہوتے ہیں آج دیکھنے والے مری صورت کے کیوں دتے ہیں آج

چو کہتے تک بھی نہیں گوشور ماتم ہے بلند
اب قیامت تک ہم چھوڑینگے دامن آپ کا
میں نے کل تک جانفشانی جنگی سرسبزی میں کی
ہائے اٹھا ہے جنازہ کس جوانا مرگ کا
کل شب فرقت اٹھائے تھے جو سر پر آسماں
چٹکیاں لینا ہے یہ جنگی بجا کر پوچھنا
زانوئے غم سے نہ ہم نے سراٹھایا کوئی دم
شام غم آتے ہی مجھ سے کہتے ہیں میرے نصیب
حشر میں دیتے ہیں میرا ساتھ یا اس شوخ کا
اے اجل تو نے ملایا خاک میں کس کا شباب
دوست دشمن؟ دونوں جب کی قبر پر روتے ہیں آج

کل وہاں راجہ جرنیل پائیگے حاصل شہیر
ہم یہاں اس مزرعہ دنیا میں جو ملے ہیں آج

رولیت بیج

۲۹ دسمبر ۱۹۷۰ء

شہ نہ دیتے جو مری شامت تقدیر کے بیج
سلسلہ قطع مری باتوں کا کر دیتے ہیں
پھانستے دل کو نہ اُس زلف گرہ گیر کے بیج
کات دیتے ہیں وہ سب شہ تقدیر کے بیج

آج مکاریوں کا شیخ کے سر ہے سہرا
کیوں نہ دستارِ ریائی میں ہوں تزیین کے بیچ
صاف کیونکر ہو وہ گنتی جوازل سے ہو پڑی
زورِ تدبیر سے کھلتے نہیں تقدیر کے بیچ
رنگِ خونِ تاب جگر دستِ خنائی نے لیا
زلفِ بیچاں نے اڑائے مری تقدیر کے بیچ
ہو کے صد چاک بھی دلِ شانہ کیسو نہ بنا
بیچ ہے تقدیر سے چلتے نہیں تدبیر کے بیچ
ہے یہ مطلب نگہِ شوقِ نظرِ بد رہے
میں بچتا ہوں تری شوخیِ تحریر کے بیچ
موتِ گمانی تو مصور نے بہت کی لیکن
نہ کھلے پر نہ کھلے گیسوے تصویر کے بیچ
زلف کے بل تو مرے دودِ جگر سے نکلیے
بارے قابل تو ہوے آہ کی تاثیر کے بیچ

خطِ طغریٰ میں رقمِ نامہ جاناں ہے شہیر
ابھی میں تارِ نظر سے مری تحریر کے بیچ

ردیف

۱۲ دسمبر سنہ ۱۳۲۷ء

یا وساقی میں بھرا یا دل جو مینا کی طرح
چھلکے آنسو آنکھوں کے ساغر سے صبا کی طرح
ضبطِ گریہ میں بھرا یا دل جو مینا کی طرح
پی گیا میں آنسو و نکو اپنے صبا کی طرح
یری ہتی بھی ہے احم بے سما کی طرح
بس برائے نام ہوں ہوئے کوغشا کی طرح
پڑے اُس کوچہ میں صرف پائمانی ہو گیا
نیتے ملتے مٹکیا نقشِ کت پا کی طرح
وائے ناکامی کہ جب آتے بھی ہیں خواب میں
آنکھیں کھل جاتی ہیں آغوشِ تنہا کی طرح

ترک یاروے دورِ وزہ زندگی پر کیا کریں ہلکو کچھ جینا نہیں خفق و مسحا کی طرح
 ہے حرارت سے رگِ برق بجلی میری نبض دستِ عیسیٰ ہونہ جائے دستِ موسا کی طرح
 ہر جگہ ہر گھر میں جلوہ ہے تمھارے حسن کا عام فیض اس کا ہے مہرِ عالمِ آراگی طرح
 شاعرانِ ہند میں یہ غیر ممکن ہے شہسیر
 سر برآوردہ ہو کوئی میر و سودا کی طرح

۱۵ اردو شہسیر سنہ ۱۳۲۰ء

دیکھنے میں ہے اُنکورِ پانی کی طرح ہے اثر میں لیکن آبِ زندگانی کی طرح
 بے وفا ہے زندگانی بھی جوانی کی طرح جانِ لوعمر رواں کو بہتے پانی کی طرح
 نبض چلتے چلتے سانس لے آتے رک گئیں آگیا قاتل جو مرگ ناگمانی کی طرح
 کون اس عالم میں مجھ سا زند عالم سوز ہے جو مئےِ دو آتشہ پیتا ہو پانی کی طرح
 موت کی لہجی بھی ہے اے عشقِ مہکون خوشگوار ہے مزہ مرنے میں لطفِ زندگانی کی طرح
 جھوٹا قصہ جانتے ہیں نہ گزشتِ عشق کو داستانِ غم وہ سنتے ہیں کہانی کی طرح
 ساتھ دیتی ہے ہمیشہ نادامِ آخسر ہی بے وفا میری نہیں ہوتی جوانی کی طرح
 پیر میکش کی کرامتِ آتشِ سیال ہے آگِ شیشوں میں بھری رہتی ہے پانی کی طرح
 ایک خاموشی میں ہیں سو مہنی حسنِ بیاں اب زبا زبانی مری ہے بے زبانی کی طرح

کاٹ لینے بچ کے دن ہم خوشی سے لے شہسیر
 راہِ دل میں غم کو دینگے شادمانی کی طرح

۲۱ اکتوبر ۱۹۷۷ء

بار الفت کا اٹھانا ہوا بھاری اصلاح ہو گئی خوب خرابی سے ہماری اصلاح
 مدتوں مشق سخن میں رہی جاری اصلاح اے شہیر اس سے ہوئی اور ہماری اصلاح
 اب رہا کین کی نہ شوخی ہے نہ البیلا پن ہو گئی حسن جوانی سے تمھاری اصلاح
 بن گئے اک نظر لطف سے سب کلام مرے ہو گئی چشمِ زدن میں مری ساری اصلاح
 محنت سہی سے بگڑی ہوئی قسمت نہ بنی بازی کوشش و تدبیر میں ہماری اصلاح
 ہوتی یوں حورِ دہری کی نہ درستی جمال تجھے لیتے نہ اگر لوزی و ناری اصلاح

رہبرِ حسنِ کلام اور بھی بڑھتا تھا شہیر
 دیتے تھے حضرت اُستاد وہ پیاری اصلاح

رویتِ خ

ہوں کبھی غمِ تنابہِ دل سے بھی نہتِ یارِ سرخ کیا ضرورت ہے کہ مہندی ہتی ہوں ہر بارِ سرخ
 ہے شہیدانِ وفا کے خون کا فیضانِ رنگ رہتی ہے قاتل کی ہر دم تیغ جو ہر دارِ سرخ
 غیر کے ساتھ آپ کیوں گئے عیادت کے لئے ہو گیا غیرت سے رنگ چہرہ بیمارِ سرخ
 دختِ رز نے جامہ تقویٰ گلابی کر دیا زیب سر ہے حضرت زاہد کے اب ستارِ سرخ
 وہ عیادت کے لئے آئے عجمی آگئی زرد تھا یا اب ہے رنگ چہرہ بیمارِ سرخ
 آستیں و پنجہ و امانِ قاتل اور تو ایک میرے غولِ چاروں ہلے تلوارِ سرخ

کیا سوکا ایک بھی قطرہ نہیں دل میں شہیر
پھر یہ کیوں نکلا نہیں ہو کرب سو فار سرخ

دلیف د

کاپنتی خوت سے قاتلی کے ہے تھر تھر فریاد
منہ سے بھی ہائے نکلتی ہے تو ڈر ڈر فریاد
غبطہ کر ضبط۔ نکر اے دل مضطر فریاد
کہیں بیچین نہوں وہ تری سنکر فریاد
کرتے ہیں آنکھ پہر عاشق مضطر فریاد
رات بھر نالہ و شیون ہے تو دن بھر فریاد
آہ مظلوم کی پرواز ہے تاعرش بریں
کون کہتا ہے کہ ہے طائر بے پروا فریاد
حشر ہے آج تو کر دے مرا اٹکا اٹکا
بس یہی تجھ سے ہے لے داوڑ حشر فریاد
ہوش صیاد اُڑا دیتے ہیں مرغان قفس
جبکہ یکبارگی سب کرتے ہیں ملکر فریاد
آئینہ چوٹ حسینوں کی نظر کی کھا کر
کیا عجب جا کے کرے پیش سکندر فریاد

ہوش گریہ یہ دم نالہ و شیون ہے شہیر
چشم پُر آب کو کر دیگی مستد فریاد

دلیف د

حسن و جمال پر ہے جہت اس قدر گھمنڈ
دو دن کی چاندنی ہے یہ اسپر نگر گھمنڈ
کیوں آمد شباب سے ہے اس قدر گھمنڈ
بے جا ہے ایک رات کے مہمان پر گھمنڈ

وہ بے وفا نکل گیا سینہ کو توڑ کر جس تیرناز پر تھا تجھے اے جگر گھمنڈ
 ہے زاہدوں کو زہد کا اپنے اگر غرور ہم رندوں کو بھی ہے رحمتِ فگارِ گھمنڈ
 ہر دل عزیزِ عشوہ و انداز و ناز ہیں ہر بات دل پسند ہے تیری مگر گھمنڈ
 دعوے بے مثالی و یکتائی سٹ گیا جاتا رہا سب آئینہ کو دیکھ کر گھمنڈ
 زیبا نہیں ہے چاہنے والوں سے غرور جو تجھ کو پیار کرتے ہیں ان سے نکر گھمنڈ
 دیکھی نہیں تجلی داغِ دل شہرِ یہ
 تجھ کو جیھی ہے لے بتِ رشکِ مگر گھمنڈ

ردیف ذ

کھوئے کیا دردِ لا دوا تعوید نہ پیمبر نہ ہے خدا تعوید
 پڑھ کے وہ میری قبر کا تعوید بولے اب نفع دے گا کیا تعوید
 جھاڑ پھونک اور ایسی بیماری دردِ دل اور یہ دعا تعوید
 ہے جنوں اک پڑھا لکھا جن آپ اثر اُس پر کرے گا کیا تعوید
 مرضِ عشق کا علاج نہیں بے اثر ہے۔ دوا۔ دعا تعوید
 مہنے والے کے نام کا خط تھا اُس کے بازو سے جب کھلا تعوید
 جو بندھا تھا شیشِ بازو پر
 لاغری سے وہ گر گیا تعوید

روایت ۱

اب اس میں خوشی بھی نہیں دیرانہ سمجھ کر
 ہتھکڑی لگاتا ہے وہ دیوانہ سمجھ کر
 ہوشیار رہ عشق و محبت ہے خطرناک
 ہم قصہ غم اپنا جو کہنے لگے شب کو
 مستی میں پڑی اکھ جو میناے فلک پر
 دھوکا ہوا اے شیخ چلے آئے حرم میں
 گرتے بھی ہیں نشہ میں تو ساقی کے قدم پر
 یہ عشق مجازی بھی حقیقت کا ہے زینہ
 گردوں پہ شب بھر جو ظاہر ہوا مستاب
 تم رہتے تھے جس دل میں پریشانہ سمجھ کر
 ہنس دیتا ہوں میں شوخی طفلانہ سمجھ کر
 رکھ اس میں قدم لے دل دیوانہ سمجھ کر
 وہ سننے کو سنتے رہے افسانہ سمجھ کر
 بھر آیا دل الٹا ہوا پیمانہ سمجھ کر
 پہلے کی طرح ہم اُسے بت خانہ سمجھ کر
 ہوتی بھی ہے تو لغزش مستانہ سمجھ کر
 رکھ پاؤں زرا لے دل دیوانہ سمجھ کر
 ہم دوڑ پڑے جلوہ جانا نہ سمجھ کر
 دل کس لئے اُس دشمن ایاں سے لگایا

کرتا تھا شیر آپ کو یا رانہ سمجھ کر

صدائے طوطی شکر شکن منقار کے اندر
 ہزاروں طرح کے آہنگ ہیں صورت غلامیں
 بنادیتی ہے شیریں ہر سخن منقار کے اندر
 ہزاروں رکھتے ہیں گویا دہن منقار کے اندر
 اگر بس ہو تو رکھ لے یہ چمن منقار کے اندر
 گئے وہ دن کاکا تھا وطن منقار کے اندر
 اسیران قفس کے نالے ہیں خانہ بدوش نہیں

وہی برگ گلِ آخرِ بیلِ مردہ کے کام آئے جسے لکھتی تھی وہ بہرِ کفنِ منقار کے اندر
 بھرا کرتی ہے بیلِ دم جو انانِ گلستاں کا جمائے رہتی ہے یہ انجنِ منقار کے اندر
 بہارِ آئی ہے ہر گلِ نعمۂ بیل سے کستا ہے نوائے سازِ عشرتِ آج بن منقار کے اندر

شہیرا اس طرح میں بکھولنا مشکل نہیں محکو
 نہیں قاصرِ مریِ عشقِ سخنِ منقار کے اندر

بنِ باس ہوئے۔ جوگ لیا یار کی خاطر دکھ سننے کو سکھ چین تجا یار کی خاطر
 سستا ہوں سبھی جو رجواہی یار کی خاطر ہر طرح ہوں راضی برضا یار کی خاطر
 دل دیدیا میں نے اگر انکو تو عجب کیا کرتے ہیں سبھی شاہ و گدایار کی خاطر
 وہ منزلِ دشوار ہو یا وادیِ پُر خار طے کرتا ہوں میں آبلہ پایار کی خاطر
 فرماتے ہیں وہ نمک وہ بیداد و جفا پر کرتے ہیں سبھی اہلِ وفا یار کی خاطر
 ہر ایک سے دنیا میں کیا ترک تعلق اپنوں سے بھی بیگانہ ہو یار کی خاطر
 مرنا بھی پئے دوسرے حیاتِ ابدی ہے ہر زہرِ فنا۔ آبِ بقا یار کی خاطر

جینا پڑا مر مر کے محبت میں شہیرا
 جو کچھ نہ ہوا تھا وہ ہو یار کی خاطر

۹ ستمبر ۱۹۷۷ء

نہ پڑے صبرِ دل عاشقِ گریاں کیونکر منہ نہ کالا ہو ترالے شبِ ہجران کیونکر
 جوشِ وحشت میں چھپاؤں تنِ عریاں کیونکر جھاڑ دوں جسم سے میں گردِ بیاہاں کیونکر

ہائے حاصل ہو رضا مندی جانناں کیونکر
دین و دنیا میں اسی کا تو سہارا ہے مجھے
کہتے ہیں قصہ بلقیس و سلیمان سن کر
سخت جانی ہے ادھر اور نزاکت ہے ادھر
کس طرح منہ نہ تراے بت کا فرچموں
داغ بن بن کے ابھرنے لگے جب ردِ جگر
یعنی اقرار ہو انکار۔ نہیں ہاں کیونکر
پھوڑ دوں آپ کا میں گوشہ داماں کیونکر
بس میں آجاتی ہیں انسان کے پریاں کیونکر
حلق پر میرے چلے خنجرِ راں کیوں کر
ہوں مسلمان نہ لوں بوسہ قرآن کیونکر
دل میں ناموسِ محبت رہے پنہاں کیونکر

ان قوانی میں ہوں میں خوگر ترکیبِ شہمیر
ترک ہو عادت تقلیدِ فصیحاں کیوں کر

۱۶۔ فروری مسئلہ ۶

رہا عشق آپ کا پیدا و پنہاں با اثر ہو کر
دم نزع اکھنویں حسن ازل ہے جلوہ گر ہو کر
عبث فکر آشیائے کی۔ ہوں پرواز کی بے جا
بھلکتا ہے سیکاری میں رنگِ آمزِ گاری کا
نہ کیوں سرکشگی میں کیفِ دورِ جامِ حاصل ہو
اثر آزارِ الفت کا چھپاے چھپ نہیں سکتا
کوں فریاد کس سے داد یا رب کون تیا ہے
چلیں گے حشر میں تیر ملامت جب گناہوں سے
نمایاں دلغِ دل ہو کر نماں دردِ جگر ہو کر
نگاہِ واپسیں پڑتی ہے پھر پہلی نظر ہو کر
قفص ہی میں ہیں رہنا ہے جب بے باں ہو کر
بنا ہے ابرِ رحمت میرا دامن سے تر ہو کر
کفِ بادہ بھرا ہے میرے سر میں مغزِ سر ہو کر
کہ رنگِ چہرہ اڑ جاتا ہے پہلے ہی خبر ہو کر
دعائیں بھی تو رہ جاتی ہیں آہ بے اثر ہو کر
تری رحمت بچائے گی مجھے سینہ سپر ہو کر

مزام میں نہیں تم شوق سے چاہو جہاں جاؤ
ملا جوشِ نوت لطفِ محراب کو گھر بیٹھے
مگر ہاں شرط یہ ہے سب پہلے میرے گھر ہو کر
نہ نکلے جو سیرِ سبزہ دیوار و در ہو کر
شہادت تیرے ہاتھوں سے بقائے جاودانی تھی
حیات تازہ پھر مجھ کو ملی عمر دگر ہو کر
شبِ غم کافی ہے مر مر گرائش سے رنق ہے
کمیں ایسا نہ ہو پھر شام ہو جائے سحر ہو کر

چراغِ مغلِ عشرت تھا جو دلِ نوجوانی میں
شہسوار بجھ گیا پیری میں وہ شمعِ سحر ہو کر

رولیت ط

صورت کا ہے بناؤ تری زلف کا بگاڑ
کیوں ہو نہ خوش اداؤں میں بگڑی ادا کی قدر
تقدیر میری آگئی ہے تیرے ہاتھ میں
کب تک بھیگی اُس متلون مزاج سے
دل میں کہاں سے آگیا خانہ نر بے شق
ہر روز کی لڑائی سے تو مل گئی نجات
کوچہ میں تیرے میں ہوں پڑا مثلِ نقشِ پا
آنکھوں سے آنکھیں دگائیں بوجھ ہو گئی
تم نے بگاڑی اپنی بنی بات آپ ہی
کیوں ہو نظر فریب نہ یہ خوش نما بگاڑ
اُن کا نہ سو بناؤ نہ اک آپ کا بگاڑ
جس طرح جی میں آئے ترے تو بنا بگاڑ
کے روز بننے دیگا یہ ہر روز کا بگاڑ
کس نے کہا تھا اس سے کہ اگر مرا بگاڑ
اُس جنگجو کے میل سے اچھا رہا بگاڑ
ہے تجھ کو اختیار بنا مجھ کو یا بگاڑ
پھر اُن سے میل ہو گیا جاتا رہا بگاڑ
بے فائدہ شہسوار سے کیوں کر یا بگاڑ

رویت ز

۱۲ جولائی ۱۹۸۸ء

فاش ہو جائیگا زخم فاش سے سب ل کاراز
 دل میں ان کا چھپ کے رہنا ہو گیا ہے لکاراز
 تھا گناہوں سے وہ نزو یکہ بجی تھی تلاش
 قید ہستی سے رہا ہو کر زارے مرقد میں بند
 مر گیا لیکن ان سے کر سکا انہما رشوق
 گوشہ ہائے دیدہ پر خوں میں دیکے لخت دل
 سوز داغ عشق میں ہے روشنی بزم حسن
 توڑتا ہے شیشے سے میرے آگے تختب
 جانتے ہیں سب مگر یاد رکھو یانی نہیں
 قبر سے میدانِ عشرت کا پہ طولانی سفر
 غیر ممکن ہے چھپانا خنجر قاتل کا راز
 پہلی محل نشیں ہے آپ ہی محل کا راز
 کھل گیا پائے طالب پر دوسری منزل کا راز
 یہ ہے لے خواب اجل زندان آب و گل کا راز
 رہ گیا افسوس میرے دل میں میر دل کا راز
 خوب ساحل سے ظاہر ہو گیا ساحل کا راز
 شمع محفل میں چھپا ہے گرمی محفل کا راز
 جانتا ہے سنگِ دل و جینکسٹل کا راز
 ہو گیا ہے خواب گونگے کا بت غافل کا راز
 پہلی منزل میں کھلایا دوسری منزل کا راز

بنے کھلی سوکھی کلی دیکھی ہے جس نے شہسیر
 جانتا ہے وہ مری افسردگی دل کا راز

رویت س

۱۲- جولائی ۲۰۱۲ء

کوئی نہیں ہے کشتہ بے دل کے آس پاس
پھرتی ہے بکسی ترے سبل کے آس پاس
رہتی تھیں پہلے حسرتیں جو دل کے آس پاس
دم تو تونی ہیں اب وہی سبل کے آس پاس
یہی کو کچھ پیام سنا ہے قیس کا
باد صبا ہے پردہ محل کے آس پاس
ہے حکم یاس شادی امید کے لئے
ہرگز پھٹکنے پائے نہ یہ دل کے آس پاس
پھندے لگاتے پھرتے ہیں صیاد بلغ میں
شاخون پر آشیان عناد دل کے آس پاس
ارمانوں کا ہے وصل میں تانا بندھا ہوا
کچھ دور دور ہیں ابھی کچھ دل کے آس پاس
عشاق قتل ہو گئے سب قتل گاہ میں
باقی نہیں رہا کوئی قاتل کے آس پاس
کیا بے حجاب قیس سے یہی ہو نجد میں
پرے پڑے ہیں شرم کے محل کے آس پاس
ہے یاد چشم یار میں مڑگاں کی بھی خلش
کچھ خار بھی ہیں آبلہ دل کے آس پاس

یوں میرے گرد کوہن و قیس ہیں شہیر

جیسے مرید۔ مرشد کامل کے آس پاس

رویت س

رہتی ہے روز بانی بے داد کی تلاش
ہر دن ہے اک نئے تم ایجاد کی تلاش

اس خارزار دہریں پھنتے نہ لکے ہم
لے طائرانِ باغِ خبردار۔ ہوشیار
پرنے سے جا کے ڈھونڈ نکالا حضور کو
سو نقشِ خود جو ایک تصویریں کھینچ لے
لے باغبانِ شوقِ اسیری ہے اس قدر
خود بیلوں کو رہتی ہے صیاد کی تلاش

لذتِ نرے جورِ حسیناں ہیں ہم شہیر
رہتی ہے روزِ اکِ ستمِ ایجاد کی تلاش

مدلیف ص

چاہے وہ بھلی ہو یا بُری حرص
خالی جب تک نہ غم کے خم ہوں
کھودیتی ہے سب دوارِ انسان
یوں بھی نہ تھی کچھ شباب میں کم
جام سے پر ہکتی ہے رال
قسمت پر اپنی جو ہے قانع
جینے کی خاک اب ہو س ہے
اللہ پر اپنا ہے توکل

بیشک ہے مجھے شراب کی حرص
میری بھرتی نہیں کبھی حرص
ذلت ہے ہر آدمی حرص
پیری میں تو اور بڑھ گئی حرص
ہے شیخ کی سخت لالچی حرص
اس کو ہوتی نہیں کوئی حرص
تاعمدِ شباب ہو چکی حرص
قانع ہوں مجھے نہیں کوئی حرص

جس سے رہے نام نیک قائم حصوں میں وہی ہے کام کی حرص
دنیا کی ہوس شہیر تاجند
کب تک یہ رہے گی آپ کی حرص

رویت ض

لائق بوسہ میں اے جان تمھارے عارض بیار کرنے ہی کے قابل ہیں یہ پیارے عارض
دعویٰ حسن میں زیبا ہے۔ اگر اپنے پر صدقے سوج کو کرے چاند کو وارے عارض
آنکھ شوق کو بٹھراتی ہے رخسار کی یاد گرم آہوں میں دکھاتے ہیں شرارے عارض
شوق دیدار جان میں تھیں بتیاں لکھیں گھونگھٹ اٹھا تو نظر آگئے بارے عارض
مدقوں میں نے ازلے ہیں مزے بوسوں کے شہیناں مجھ سے بہت اب نہ بگھارے عارض
سر چڑھے منہ لگے اتنا جو نہ گیسو ہوتے کس طرح چومتے جھک جھک کے تمھارے عارض

جاں بب حسرت بوسہ میں نہ ہوتا میں شہیر
پہنچ باسن نہ اگر داستاں کاے عارض

رویت ط

نہیں اُس بانی جفا کا خط میری تقدیر کا ہے لکھا خط
ہائے ازبس تھا یا اس افزا خط پڑھ سکا میں نہ ان کا پورا خط

جی اٹھا میں جو اُن کا آیا خط میرے حق میں ہوا مسیحا خط
گو پتہ میرا تھا لفافہ پر غیر کے نام کا مگر تھا خط
دستِ قدرت کی دیکھ لی تحریر عارضِ یار پر جو آیا خط
لکھتا کیا حال بےقراری دل دامنِ برق بن نہ جاتا خط
نگہِ شوق بے قرار ہے کیوں ٹھہرے پڑھنے سے جھکوا نکا خط

یہ بھی لکھا نصیبوں کا ہے شہیر
کبھی آتا نہیں ہے ان کا خط

رویت ظ

آہا اگر بغل میں بوتل دبائے واعظ مستی میں چوم لیتے ہم بڑھ کے پائے واعظ
بندے ہیں سب اُسی کی امیدوار رحمت رندوں کا بھی وہی ہے جو ہے خدائے واعظ
آیا ہے پی کے شاید۔ لکنت زبان میں ہے چلنے میں بھی نہیں ہیں قابو میں پائے واعظ
نار سقر سے آیا ہے رندوں کو ڈرانے سنتا ہے کون اسکی دُفع میں جائے واعظ
ہم کوئے یار ہی میں جنت سے بڑھکے خوش ہیں یعنی ہے مبارک جنت برائے واعظ
اوروں ہی کو دکھائے یہ سبز باغ اپنا سچا جو ہو تو جنت ہم کو دکھائے واعظ

پیرِ مغاں کی سنتے ہیں لے شہیر ہم سب
میخانہ میں یہی ہے ناصح بجائے واعظ

رویت ع

ظاہر ہے دو د شمع سے رنگِ فغان شمع اظہارِ سوز کے لئے تو ہے زبان شمع
 پروانوں کا بیان ہے گویا بیان شمع جو اُن کی داستان وہی داستان شمع
 لے اہلِ بزم ہے دمِ آخر۔ قریبِ صبح نو جھللا رہی ہے نکلتی ہے جان شمع
 ممکن نہیں جو میرے سیدہ خانہ میں جلے سو بار لاکے کرے کوئی امتحان شمع
 دل میں مدامِ داغِ محبت کی ہے جگہ فانوسِ رات بھر کے لئے ہے مکان شمع
 دلِ تفتگانِ عشق کے مرنے میں دیر کیا اک جھونکے میں ہوا کے نکلتی ہے جان شمع
 تارِ نفسِ بغیرِ فروغِ حیات کیا کیونکر جلے اگر نہ ہو رشتہ میاں شمع
 جس میں ہو سوزِ عشق وہ قصہ ہمیں سناؤ پروانوں کا فسانہ ہو یا داستان شمع
 مجھ بچھ گئی ہے اُس رخِ روشن کے سامنے جب جب کیا ہے محفلوں میں امتحان شمع

کیوں نورِ طبع سے نہو زندہ دلی شہیر
 روشن یہ ہے کہ روشنی ہوتی ہے جانِ شمع

رویت غ

ہو گئے سب داغِ دل کے عشقِ ترسا میں چراغ بس یہ اندھیرِ کعبہ کا کلیسا میں چراغ
 کیا کرینگے مولِ لیکرِ جوشِ سودا میں چراغ جلتے ہیں داغِ جنوں کے آپ صحرا میں چراغ

ہے رخ روشن کا جلوہ دیدہ پر آب میں سیر دیکھو اے خضر جلتا ہے دریا میں چراغ
 بے سواد و نکی نظر میں پہنچ ہے روشن سواد ہے نہ ہونے کے برابر حشیم اعمیٰ میں چراغ
 رات کو جلوہ جو دیکھا آب آتش رنگ کا مست مے بجھے کہ ہے فانوس مینا میں چراغ
 داغماے عشق کا ہے دل میں عالم ہی نیا اسطرح کے کب نظر آتے ہیں دنیا میں چراغ
 آئے وہ اسیدیں برائیں دل پر داغ کی گھی کے جلتے ہیں مری بزم تمنائیں چراغ
 داغ عشق لے قیس ہو صرف نیاز زندگی رکھ دے محراب خم ابروئے لیلیاں میں چراغ
 قبر حشر تہائے مردہ پر پڑے ہیں سب بجھے جتنے جلتے تھے شہستان تمنائیں چراغ
 نورایاں کی ضیا محدود دنیا تک نہیں رہنا ہو گا یہ بن کر راہ عقبیٰ میں چراغ

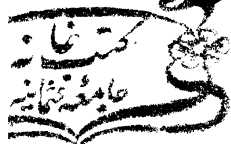
نور عرفاں سے منور ہے مراد لے شہیر

عارف حق دیکھ لیں دلغ سویدا میں چراغ

رہلیت ف

عین جو ہر ہے مرا ابروئے خنوار کا وصف ہوں سپاہی تو نہ کیونکر تلوار کا وصف
 کر دیا شرم گنہ کو جو گنہ گار کا وصف بخدا یہ بھی ہے اک حمت غفار کا وصف
 خوگر لذتِ آزار ہیں مداح ستم کوئی ہم سے سنے اُس شوخ بفاکار کا وصف
 سایہ میں لیکے دکھا دیتی ہے طوبیٰ کی بہار ایک ادنیٰ سا ہے یہ آپکی دیوار کا وصف
 کمد یا باغ جناں ہی تو کیا کون کمال یہ تو کچھ بھی نہ ہوا کو چہ دلدار کا وصف

راہِ جاناں میں اذیت بھی بڑی راحت ہے پاؤں کے چھانو کو ہے نوکِ بان کا وصف
ہوں مالِ نہ دولت کی طمع ہم کو شہمیر
پھر غرض کیا جو کریں منعم و زردار کا وصف



رویت ق

پاتی شرف نہ کعبہ کا دولت سر لے عشق
لے دل ہے آزمائش عشق بدلے عشق
جس پر کم ہو لاج اُسی کا بڑھائے عشق
قائم ہوئی ہے دہیں کچھ اسطرح جائے عشق
دونوں میں ربط لازم ملزوم ازل سے ہے
دنیا و دین کسی سے علاقہ نہیں ہمیں
گویا ہوئی تھی قطع ازل ہی میں ناپ کر
بستر سے اٹھنے کے بھی سکتا اب نہیں رہی
خالی رہے نہ دلِ غِ محبت سے دل کبھی
سب باتیں یاد ہیں ہمیں عہدِ دست کی
اتنا دے بار غم مجھے جتنا اٹھا سکوں
سب بڑا یہ کو سنا انکا ہے لے شہمیر

قائم جو میرے دل میں نہ ہوتی نائے عشق
کر صبر آزماے جو صبر آزماے عشق
قیس اک سڑی تھا کر دیا جھکو خدائے عشق
دل جائے بھی تو دل کو ہمارے نہ جائے عشق
ہے عشق دل کے واسطے دل ہے برائے عشق
کچھ ماسوا سے کام نہیں ماسواے عشق
ٹھیک اتنی میرے جسم پر ایسی قباے عشق
دنیا سے کس طرح مجھے دیکھوں اٹھائے عشق
یارب نہ بے چراغ ہو دولت سر لے عشق
گوش آشنا ہے روز ازل سے صلاے عشق
جتنا میں دب سکوں مجھے اتنا دباے عشق
یا دافع بلا اسے کر قبلائے عشق

رویت ک

پہونچوں لے ضعف جنوں کیا وادی کسارتک
 بیج ہے وقت یکسی ہر ایک کرتا ہے گریز
 دونوں عالم ہے مرتع ان کے حسن پاک
 بندھ گئے ہیں پرفنس میں رہتے رہتے اسطرح
 دھوپ کی تکلیف سے لے ضعف پا جاتے نجات
 دیدہ پر آب سے آنسو گزر کر بہہ گئے
 نوک کی لینے لگے ہیں آبلوں سے غارتک
 بھاگتا ہے مجھ سے انکا سایہ دیوار تک
 جلوہ اقدس سے ہیں معمور نور و نارتک
 ہوں رہا بھی تو نہ اڑ کر جاسکوں گھزار تک
 کاش چل سکتے کسی کے سایہ دیوار تک
 جوش غم رڑکوں کو پہونچا آیا دریا بارتک

بخت خفتہ سو رہا ہے نیند کیا آئے شہیر
 ہو چکا سونا ہمارا طالع بیدار تک

رویت گ

مندی ہزار دستِ حسیناں میں لائے رنگ
 کیا رنگ آگے اُس رخ روشن کے لائے رنگ
 پہونچی نہ بات چہرہ بیمار عشق نے
 ہیں دیکھنے ہی بھر کے حسینانِ بیوفا
 مشکل ہے میرے خون تمنا کا پائے رنگ
 جس میں کہ نورِ سخن بھرا ہو بجائے رنگ
 غیرت جو ہو تو منہ نہ کسی کو دکھائے رنگ
 ان پھولوں میں زرا نہیں خوشبو سوائے رنگ
 کیا اُسکے آگے رنگ کچھ اپنا جمائے رنگ
 کچھ اور ہی ہے جلوہ بے رنگ کی بہار

کلیاں چٹک رہی ہیں گلِ نو بہار کی سنتے ہیں طائرانِ گلستانِ صدلے رنگ
 بیشک بقولِ حضرت استاد اے شہیر
 کچھ اس غزل میں جی نہ ہوا آشنائے رنگ

۱۲ جولائی ۱۹۷۷ء

نظر آتا نہیں کچھ صبح کے آثار کا رنگ ظلمتِ گور سے بدتر ہے شبِ تار کا رنگ
 اُڑ گیا ضعفِ مرض سے رخِ بیمار کا رنگ دید و تھوڑا سا تم اپنے گلِ خسار کا رنگ
 حشر میں رحمتِ داور نے جو نظر ٹھائی ہو گیا سنج و ہیں روئے گنگار کا رنگ
 فصلِ مے آنے دو پھر ہے یہ ہمارا دمہ ہو گلابی نہ اگر شیخ کی دستار کا رنگ
 حلقے آنکھوں میں پڑے مردنی منہ پر چھپائے نظر آتا نہیں اچھترے بیمار کا رنگ
 تم دکھا دو جو زرا عارضِ گلگوں کی بہار تو بدل جائے ابھی چہرہ بیمار کا رنگ
 عرقِ شرم گنہ - اشکِ ندامت سے شہیر
 صاف ہو جاتا ہے سب بے سیکار کا رنگ

رویت ل

مے کیا تجھ سے اب او بیو فادل تری بے مہریوں سے ہٹ گیا دل
 نہیں تجھ سے عزیز اے دلربا دل ارے تو شوق سے لیجا مرادل

نہیں ہے جب تمھارے کام ہی کا
تری باتوں سے لے سفاک قاتل
تھیں تو بیٹھے تھے پہلو میں میرے
مرے سر مارا قسام ازل نے
نرا کر یاد اے وعدہ فراموش
تولاؤ پھر دو مجھ کو سرا دل
کلیجہ ہو گیا شق پھٹ گیا دل
تھیں نے لے لیا بیشک مرا دل
پڑا پایا جو اک ٹوٹا ہوا دل
لیا تھا تو نے کیا کہہ کر مرا دل

قطعہ

اگر کمنا نہ مانے کون بس ہے
مجت میں نہیں ہے کوئی تخصیص
ربانی زلف سے ہے غیر ممکن
کسی کا ہوا انھیں لینے سے مطلب
جہاں دیکھا کسی کو دل گرفتہ
خروش بلبلاں ہے جوش گل تک
دل است این جنگ نتواں کردہ بادل
شود باہر کہ خواہد آشنا دل
کہاں پھر چھوٹتا ہے جب پھنسا دل
نہیں پروا بھلا ہو یا بُرا دل
وہاں اپنا مجھے یاد آگیا دل
خزاں میں پھر کہاں شور عناد دل

نہیں دیتے نہ دیں داد و فابت

شہیرا سدا تو اپنا ہے عادل

۲۷ جولائی ۱۳۵۷ء

سُننا جو ہو تو ہم سے سُنو داستانِ دل
جو ناشنو ہو اُس سے کریں کیا بیانِ دل
افسانہ گو کریگا بھلا کیا بیانِ دل
سامع کوئی لے تو کہیں داستانِ دل

جل جل کے راکھ ہو نہ مگر منہ سے اُن کھجے
 ناوک اگر نکالا تو پھر زندگی نہیں
 غلقت تھی ناتمام کہ تھا صفت خونِ گوشت
 صبر و قرار و تاب و توان کا پتہ نہیں
 لے لے سوز عشق سہل نہیں امتحانِ دل
 پیکانِ تیر یا رے لپٹی ہے جانِ دل
 پیوست ہو کے تیر بنا استخوانِ دل
 لے لے درد عشق کیا ہوئے سبستانِ دل
 دیکھے نئی زمین نیا آسمانِ دل
 مشکل یہ ہے بھتے نہیں تم زبانِ دل
 بے چارہ کس طرح تمھیں سمجھائے کیا کرے

میں باخبر ہوں یا مرا اللہ اسے شہیر
 کیا جائے تیسرا کوئی رازِ نہانِ دل

پامال عشق ہو کے بیٹے ہے شانِ دل
 دل بے زبان ہے وہ کریگا بیان کیا
 سینے کو چاک کیجئے خنجر اٹھائے
 پردہ سے کیوں نکالتا ناموس عشق کو
 ہو ہو کے خون بہ گیا اٹک داس کے کیسا تھ
 داغِ جگر سے ہوتی ہے ظاہر بہارِ عشق
 واقف ہوں اس سے جو رگ گردن کے ہے قریب
 نکلا ہے نزع میں ابھی ہمراہ روح کے
 اُس سے لگائے دل جو ہو تر بننا عشق
 ہو جائے بے نشان ہی ہے نشانِ دل
 میری زبان چاہئے بہر بیانِ دل
 لینا ہی آپ کو ہے اگر امتحانِ دل
 کہتا کسی سے کس لئے دردِ نہانِ دل
 اچھا ہوا کہ مٹ گیا نام و نشانِ دل
 زردی رخ سے کھلتا ہے رنگِ خزانِ دل
 مجھ سے چھپا نہیں ہے مبین مکانِ دل
 یارب وہ کون تھا جو چھپا تھا میانِ دل
 دل لے لے اُسے سمجھ لے جسے قدر دانِ دل

میں آپ رونے لگتا ہوں وقت کے جوش سے

پروردہے شہیر زبسِ داستانِ دل

ہر اک بات میں تھا حجابِ اولِ اول	نہ یوں تم تھے حاضرِ جوابِ اولِ اول
دفا دارِ اغیار کا اب لقب ہے	کبھی تھا یہ میرا خطابِ اولِ اول
ازل ہی سے کوثر کی لہروں میں ڈوبے	ہوئے غرقِ موجِ شرابِ اولِ اول
کسی شوخ کی ہائے اٹھتی جوانی	وہ اپنا بھی جوشِ شبابِ اولِ اول
خدائی میں مثلِ اس صنم کا نہ نکلا	جسے کر دیا آفتابِ اولِ اول
جوانی میں زخمیِ ضعیفی میں توبہ	ثوابِ آخرِ آخرِ عذابِ اولِ اول
نیازِ ابتدا کا تھا نازِ ابتدا کا	سوالِ اولِ اولِ جوابِ اولِ اول

شہیر اب اسی شے کا چسکا پڑا ہے

ہیں جس سے تھا اجتنابِ اولِ اول

رولیت م

جلدِ افاقہ غش سے کب پاتے ہیں ہم	بے خودی سے آپ کھو جاتے ہیں ہم
کچھ نہ پیتے ہیں نہ اب کھاتے ہیں ہم	ہجرِ ساقی میں مرے جاتے ہیں ہم
ہے ہی اب و غذا اب ہجر میں	خونِ دل پیتے ہیں غم کھاتے ہیں ہم

کتنی ہے رہ رہ یہ جان منتظر وہ نہیں آتے تو لو جاتے ہیں ہم
 باندھ لیتے ہیں تصور آپ کا رات بھریوں دل کو بھلاتے ہیں ہم
 ہے گلے میں جذب الفت کی کمنہ یہ جدھر کھینچتی ہے کھینچ جاتے ہیں ہم

سجود کرا مال بد اپنے شہسیر
 سامنے رحمت کے شرارتے ہیں ہم

۳۰ جولائی ۱۹۷۷ء

ساتھی گزشتہ گاہیں ہم اثر پائے رفتگاں ہیں ہم
 مرنے والوں کے نوحہ خواں ہیں ہم جادہ موت پر رواں ہیں ہم
 جس جگہ آپ ہیں وہاں ہیں ہم مشل سایہ جدا کہاں ہیں ہم
 بوے گل ہیں اگر نہاں ہیں ہم زنگ گل ہیں اگر عیاں ہیں ہم
 یہ نہیں جانتے کہاں ہیں ہم آپ اپنا پستہ نہیں ہم کو
 کہ نہیں ہونے پر بھی ہاں ہیں ہم اپنی ہستی بھی ہے عجب ہستی
 موت آئی تو پھر کہاں ہیں ہم دیکھیں دیکھ لیں ہمیں احباب
 بیسیر تو اور نوجواں ہیں ہم اے فلک ڈر ہمارے نالوں سے
 شام ہی سے جو نیم جاں ہیں ہم آہ کیونکر کٹے گی ساری رات
 از زمیں تا بہ آسماں ہیں ہم جلوۂ یار کا یہ دعوے ہے
 عازم سیر لامکاں ہیں ہم مرتے مرتے بھی ہے بلند نگاہ

قید کون و مکان سے ہیں آزاد کچھ نہیں ہے وہاں جہاں ہیں ہم
روز و شب کر رہے ہیں طے رہ زیت مثل عمر رواں رواں ہیں ہم
بعد از تاسخ و تنیر شہسیر

یا دگار گزشتگان ہیں ہم

۳ اگست

گو ہے امید وفا اُس بت خود کام سے کم پھر بھی ہوتا ہے غلط نامہ و پیغام سے غم
ہوس بادہ ہو کیا اس دل ناکام سے کم جانتا ہے کہ ہے مشہور جہاں جام سے جم
حیف ہے جام جہاں میں تو بنایا بیشک ہو واقف نہ مگر اپنے سر انجام سے جم
چشم پر آب اگر خشک ہوں تو کیل ہے عجب سوکھ جاتے نہیں کیا گردش ایام سے یم
چشم بیمار کے بیمار مرے جاتے ہیں توڑتے جاتے ہیں سب تلخی بادام سے دم
باغبان دیکھ لے افسان سے ہوا نگہ اگر حُسن نرگس کا ہے چشم بت خود کام سے کم

دافع رنج ہے نام اسد اللہ شہسیر
کیوں نہ ہو جائے ہرن سمیت فرغاً سے کم

ردیف ن

اُن کی تصویر بھی بننے لگی بازاروں میں پھوٹ پڑ جائے نہ یوسف کے خریداروں میں
رنگ ہے رسم و غضب دنوں کا خساروں میں کبھی پھولوں میں ہے شامل کبھی انگاروں میں

کدو زاہد سے اگر رحمت حق کی ہے تلاش
عشقِ ابرو میں کٹے جاتے ہیں ایامِ حیات
شکر ہے بڑی تقدیر ان نگہوں کی دہاں
حسنِ بچپن میں ہو کھاتا تھا آزادی کی
طنز سے کہتے ہیں وہ تذکرہ یوسف پر
ابرمت تو ہے رندوں سے سوا تر دامن
گھر کا گھر حیرتی حسن ہے اسے بت تیرا
اس خلس بھوٹ سے دونوں ہوئے آخر نہ تباہ

کیا کموں انگوں میں حالِ دل بیتابِ شہیر

جیتی پھلی ہے دہکتے ہوئے انگاروں میں

آپ دیتے ہیں نہاں اور بل جاتے ہیں
آج جو کہتے ہیں کل اُس سے نکل جاتے ہیں
ہجرِ جاناں میں فضا لائی ہے بنیامِ مصال
گو مرے کام کا میل دل نا کام نہیں
بگڑو دل میں ٹھہرے نہیں وہ ناوکِ ناز
کیوں نہیں ہوتی دل سخت تباہیں تاثیر
چشمِ بد دور لڑکپن کی ابھی تک ضد ہے

ہار کر قول بھی کیا صاف نکل جاتے ہیں
روز ہی ایک، نئی چال وہ چل جاتے ہیں
وہ نہ آئے ہیں ہمراہ اجل جاتے ہیں
پھر بھی کام اس سے حینوں کے نکل جاتے ہیں
ادھر آتے ہیں ادھر صاف نکل جاتے ہیں
آہ سوزاں سے تو پتھر بھی پگھل جاتے ہیں
دیکھ کر وہ دلِ عشاق چل جاتے ہیں

شونیاں عالم طفلی کی جوانی میں کہاں سلطنت بدلی تو عامل بھی بدل جاتے ہیں
 طبع سوزوں مری کا ہے کوہے سانچہ ہے شہیر
 اس میں اشعار ہر اک رنگ کے ڈھل جاتے ہیں

سوے دیرا ٹھتے ہیں شباب میں پاؤں قطرہ زن ہیں رہ ثواب میں پاؤں
 دیکھ کر نور نقش پا کا ترے کعب گئے چشم آفتاب میں پاؤں
 سہی بے جا ہے کوچہ گردی عشق توڑوں کیوں راہ ناصواب میں پاؤں
 دیرو میخانہ کے سوانہ اوٹھے اور جانب کہیں شباب میں پاؤں
 طے ہوئی شکر منزل طفلی رکھے اب جادہ شباب میں پاؤں
 پی کے نکلا ہے میکدہ سے شیخ پڑتے ہیں نشہ شراب میں پاؤں
 تیری شونئی کے آگے جم نہ سکے برق کے اوکھڑے اضطراب میں پاؤں
 ہتھکڑی بیڑی جب سے پہنی ہے ہاتھ آفت میں ہے عذاب میں پاؤں
 جھومتے یہ کدھر چلے اے شیخ کیوں نہیں قابوے جناب میں پاؤں
 مجھ کو پامال ہی بگڑ کے کرو کام تو آئیں کچھ عتاب میں پاؤں
 دست بوسی کا جب سوال کرو وہ بڑھا دیتے ہیں جواب میں پاؤں
 طے ہوئی سختیوں سے راہ فنا ٹوٹے اس منزل جناب میں پاؤں

بندش پا شہیر ہے تعقید
 کس طرح باز دھو آفتاب میں پاؤں

جلالتے ہیں جیتے جی ہم اُن کو پاسکے نہیں
 پھول اگر میری سجد پر وہ چڑھا سکے نہیں
 فرطے نوشی سے ہے ہاتھوں میں عرشہ اسقدر
 نازکی وضعف سے معذور تم۔ معذور ہم
 مال اپنا ہے مگر ان کا یہ رعب حسن ہے
 ایسی از خود رفتگی رہتی ہے ہر دم عشق میں
 عمر بھر جن کے اٹھائے نازیں نے شوق سے
 جلوہ حسنِ تباں کی ہم حقیقت کیا بتائیں
 پھر بھی انکی جستجو سے ہاتھ اٹھا سکتے نہیں
 تو کوئی ٹھوکر بھی کیا آکر لگا سکتے نہیں
 سامنے رکھی ہے بوتل اور اٹھا سکتے نہیں
 چل کے آسکتے نہیں اور اٹھ کے جا سکتے نہیں
 دیکھتے ہیں دل پڑا ہے اور اٹھا سکتے نہیں
 آپ میں آنا کبھی چاہیں تو آسکتے نہیں
 دو قدم بھی وہ مرا تابوت اٹھا سکتے نہیں
 جو کچھ ان آنکھوں نے دیکھا ہے دکھا سکتے نہیں

دیدہ باطن نے جو دیکھا ہے جلوہ شہیر
 چشم ظاہر ہیں کو وہ صورت دکھا سکتے ہیں

پانچ سہ ماہ

مے و میناؤ ساغر ہم برابر مول لیتے ہیں
 انہیں منظور ہے پوری طرح اب میری بربادی
 اگر پٹ جائے تو ہم بھی یہ سودا کرنے آئے ہیں
 دل عشاق ہیں افسردگی میں داغ کے گاہک
 جنون عشق کا موسم ہے فصلِ جوشِ سودا ہے
 انہیں کو چھانٹ کر رکھتے ہیں جن بکبتائے ہیں
 جو یوں پاتے نہیں تو قرض لیکر مول لیتے ہیں
 سنا ہے غیر کے ہمسایہ میں گھر مول لیتے ہیں
 سنا ہے آپ دل لے بندہ پرور مول لیتے ہیں
 چرخِ مردہ ہو کر ماہِ انور مول لیتے ہیں
 بہار آئی ہے رگ زن روزِ شتر مول لیتے ہیں
 پئے تعمیر مسجد ہم جو پتھر مول لیتے ہیں

وہی اس دل کی قیمت ہے جو اس دلی تمنا ہے
 خریداری کی عادت بعد تو یہ بھی نہیں چھٹتی
 بت عشوہ فروش اس پر بھی اکثر مول لیتے ہیں
 زمین و خشت کوئے یار بکھو فرشِ بلاش ہے
 نہیں پیتے مگر مینا و ساغر مول لیتے ہیں
 خدا کا گھریہ بت اللہ اکبر مول لیتے ہیں
 نہ تمکیہ مول لیتے ہیں نہ بستر مول لیتے ہیں
 خدا کی شان ہے اصنام میرے دل کے گاہک ہیں
 قریب اب عیدِ قربان وہ خنجر مول لیتے ہیں
 نوید قتل ان کے جانثاروں سر فروشوں کو
 ہم انکی گرو راہ لے باد صحر مول لیتے ہیں
 غبار کوئے جاناں کی خریدار بنی آنکھیں ہیں
 ہمیشہ پینے کو مٹی کا ساغر مول لیتے ہیں
 عروج خاکساری نشہ رے میں بھی نہ سیا ہے
 شہسیر آنکھیں نہ ہوں پُر آب کیونکر عشقِ خیر میں

ہم ان دو ساغروں سے عوض کو خر مول لیتے ہیں

قرار سے رہیں کیا شوخ بے حجاب کہیں
 حفاظت آپ کریں اپنی نوجوانی کی
 ٹھہر سکا ہے کسی وقت آفتاب کہیں
 یہ کیسی بتری میخانہ میں ہے بے ساقی
 نہ لوٹ لے کوئی یہ دولتِ شباب کہیں
 حرام میکدے کی ہے حلال گوثر کی
 سبو پڑے ہیں کہیں ساغرِ شراب کہیں
 وہ اپنے جوشِ جوانی میں آپ ہیں سرمست
 کہیں عذاب ہے بادہ کشیِ ثواب کہیں
 بس ایک ات کی مہمانِ نوجوانی تھی
 کھلی جو آنکھ نہ تھا صبح کو شباب کہیں

شہسیر داد و وفا اور حسن والوں سے
 یہ وہ سوال ہے جس کا نہی تجویز کہیں

۱۷۔ جنوری ۱۳۲۷ء

فراق یار میں مرمر کے صبح و شام کرتے ہیں بُرے حالوں بسر ہم نیست کیام کرتے ہیں
 کرشمے آپ کے عاشق کشی کا کام کرتے ہیں قضا بیجاری کو تو مفت میں بدنام کرتے ہیں
 نیاز عشق ادھر ہے اور ناز حسن ارجی جانب ہم اپنا کام کرتے ہیں وہ اپنا کام کرتے ہیں
 یہ خواب ناز اُنکا نالہ شبگیر سے بولا خموش ادبے ادب سرکار بھی آرام کرتے ہیں
 خبر ہوتی نہیں اُسے دل رابھی اُنکی آنکھوں کو مگر تیر نظر اپنا برابر کام کرتے ہیں
 غلام اپنا بنا لیتے ہیں فیض خوشی کلامی سے زبانی خراج سے وہ بندہ بے دام کرتے ہیں

نہیں شیخ حرم سے کم وقار پیر میحسانہ
 ادب دل سے شہیر اُنکا بھی غلصہ عام کرتے ہیں

۴ جولائی ۱۳۲۷ء

ادب سے ذکر میرا مجنوں و فرہاد کرتے ہیں مری شاگردی پر لے عشق فخر استاد کرتے ہیں
 تمنا تھی کبھی یہ آ کے کہتا چو بد ار اُنکا اُٹھو جلدی چلو سرکار تم کو یاد کرتے ہیں
 تھکائے خفقان خاک کا ہے اک جہا عالم نئی دنیا یہ سب زیرِ زمیں آباد کرتے ہیں
 یہی تو دیکھنا ہے ان کی بزمِ ناز میں چل کر کسے وہ شاد کرتے ہیں کسے ناشاد کرتے ہیں
 گلے کٹوا کے وہ ناکہ کشوں کی جان لیتے ہیں نیا شہر خموشاں اندوں آباد کرتے ہیں
 حسینوں کی جفا ہے تازیانہ ہم کو غفلت کا بتوں کے ظلم پر اپنے خدا کو یاد کرتے ہیں
 نہ تھا کچھ دور گلشن بھی تفس ہی کیلئے اُڑ جاتے مگر پاس و بجا ظا صفا د کرتے ہیں

نہر دیتی ہیں آکر یہ جھکوا چکیاں میری
فلک کے سینہ سے بھی پار ہونگے تیرا ہوں کے
کھڑے ہیں دیر سے ہم انتظار حکم عالی میں
دفور غم سے بچل کی طرح ہم رونے لگتے ہیں
مبارک ہو تمہیں بھولے جو تھے وہ یاد کرتے ہیں
فرشتوں سے کہو ہٹ جائیں ہم فریاد کرتے ہیں
ہمارے حق میں آخر آپ کیا ارشاد کرتے ہیں
کبھی پیری میں جب اپنی جوفانی یاد کرتے ہیں

دکن میں پڑھا تھا باب پنجم جو گلستاں کا

شہسیر اب آپ پیری میں سے کیوں یاد کرتے ہیں

مزه کھانے کا اٹھے بھرے اے ساتی پالے میں
کڑک بجلی کی آسانی سے پیدا کرفض ناے میں
مری نیت ہوئی جاتی ہے ڈالوں دل کس قاتی
خیال زلف شب کو صبح کو ہے یاد عارض کی
مجھے دھوکا دیا اے شوخ کس تیری صورت نے
جگر ہے خون۔ دل دلدلہ داغ محبت ہے
مزه ہے دید کا اس کی جو ہو معشوق نادیدہ
غرض ہر رنگ سے ہر رنگ میں یہ حسن متا ہے
کلیجہ تھام کر فرماتے ہیں وہ میرے شیون پر
سیخڑے میں میرے رات دن کیساں تیرا کی
بتاؤ تو شہسیر آخر دم آخر یہ کیسا سو بھی
کہ دو دو گھوٹ پیتا جاؤں میں ہر اک نوالے میں
اگر سن لوں کہ ہے تاب ساجت سننے والے میں
یہ کیا شے تونے بول سے اونٹیلی ہے پالے میں
اندھیرا ہے اندھیرے میں اُجالا ہے اُجالے میں
یہ کیا معلوم تھا سب گن بھر پھنکے بھالے میں
بڑے ہیں جلن کے لالے پڑی ہے جلن لالے میں
نہیں کچھ لطف نطا لے کے دل دکھیر بھالے میں
صباح ت بن کے گورے میں طلعت بجے کالے میں
بھرا ہے اُن غضب کا درد اس ظالم کے نالے میں
نہیں ہے بال بھر بھی فرق اندھیرا اور اُجالے میں
توں کی بندگی دیکھی نہیں اندھالے میں

۲۵۔ نومبر ۱۹۷۹ء

ہوا بیگانہ پوشش سے جنون سوز و سماں میں
 بجائے نوبت شادی صدائے سینہ کو بی ہے
 مرادست جنوں بھی پیر و شمشیر قاتل ہے
 لئے جاتے تو ہو میرے دل پر داغ کو لیکن
 وہ داغ عشق ہو یا رنگ حسن اک روز مٹنا ہے
 سرخ رگیاں یہ اک کرجم گیا ہے خون کا قطرہ
 یہ کس دیوانے سے ملنے کو جوش بھیری ہے
 ہوا اب فاش وہ راز جنوں بھی مست دشت سے
 فریب جلوہ گل کیا ہے اک دھوکا ہی مٹو کا ہے
 جی بھی تو یہ تجلی ہے جی تو اتنی تابش ہے
 کہا تک ہمت افزائی کہا تک عرصہ کا ہی
 نیاز شوق و شرم ناز میں فرق مراتب ہے
 مریض عشق کی ہمت میں جو لکھا ہی ہونا ہے
 قیامت کی ہے سنسانی غضب کی بے زبانی ہے
 دبا جاتا ہوں لے قاتل بھکا جاتا ہے سر میرا
 الہ آباد آکر لے شہسیر اب فیض گریستے

صفت شعلہ کی پیدا کر لی اپنے جسم عریاں میں
 برات آئی کہ نعلش آئی مری گور غریباں میں
 خشکان زخم کی ترکیب ہے چاک گریباں میں
 یہ گلہ دستہ نہ رکھ کر بھول جانا طاق نسیاں میں
 یہ دودن کی بہار لالہ و گل ہے گلستاں میں
 کہ دل چھید کر کسی کا رہ گیا ہے نوک پیکان میں
 کہ عالم سوج بے تابی کا ہے ریگ بیاباں میں
 چھپا رکھا تھا جسکو پردہ حبیب گریباں میں
 نہیں ہے نام کو بوسے و فاز رنگ گلستاں میں
 چراغ طور کی جی ہے داغ قلب سوزاں میں
 کوئی حد بھی ہے کت مکمل ہے امید ہزل میں
 مرا سر پاؤں پر ہے اُن کا آغوش گریباں میں
 مرے جاتے ہیں چارہ ساز ناحق فکر دریاں میں
 کسی کو تاب گویائی نہیں شہر غموشاں میں
 گرا نباری احسان سے ادائے شکر احساں میں
 کئی کیا گوہر اشک عزا کی یاد نیساں میں

۲۱ دسمبر ۱۹۷۲ء

نوک لے جوش جنوں کیا انکی مرگاہ میں نہیں خون ہی لیکن یہاں میری رگ جاں میں نہیں
 دھجیاں مست جنوں سے جی بے داماں میں نہیں کوئی نکر وہ قسمت خارِ بیا باں میں نہیں
 لے اجل اب روح میرے جسم بے جاں میں نہیں ڈھونڈتی ہے کس کو یوسف اپنے زنداں میں نہیں
 کس سے اب مجھے جوش و حشمت میں مرادست جنوں تار بھی اب کوئی داماں و گریباں میں نہیں
 عالم ہے قید جنوں لے ہوشیار و ہوشیار ہے وہی دیوانہ جو اس سال زنداں میں نہیں
 پڑ گئی پھونوں پر ایسی اوس لے باد خزاں نام کو بھی موج زنگِ بو گلستاں میں نہیں
 جس جگہ جو حسن ہو تم میں ہو یا یوسف میں ہو خاص تخصیص اسکی کوئی مضر و کنفاں میں نہیں
 ہو گئی ہو چونہ انکی ٹھوکروں سے گرد برد کوئی تربت ایسی اب گور و غریباں میں نہیں
 آپ کے منہ سے نہیں میں ہاں بھی تو مجھے کبھی یہ بھی کوئی بات ہے ہر دم جو ہے ہاں میں نہیں

بانشین حضرت فرہاد و مجنوں تھا شہتیر

بعد اس کے کوئی اب کوہ و بیاں میں نہیں

ستمبر ۱۹۷۲ء

عیش و مستی کے خیالات خراب آتے ہیں شامت آتی ہے جب ایامِ شباب آتے ہیں
 ہو گیا غش سے افاقہ یہ خبر سنتے ہی ہوش میں لانے کو لیکر وہ گلاب آتے ہیں
 پایہ دستے دگر سے دست بدست دگر سے پی کے میخانہ سے یوں مست شراب آتے ہیں
 پہلے کچھ قدر جوانی کی نہ معلوم ہوئی یاد پیری میں اب ایامِ شباب آتے ہیں

نانوں میں حسینوں کا گزر ہوتا ہے سب کو معلوم ہے کانٹوں میں گلاب آتے ہیں
ہوں کہیں کتاب اعمال پہنچتے ہیں وہیں ہر جگہ ساتھ لئے اپنی کتاب آتے ہیں
ناز و انداز و ادا حسن خرام و عمرہ بے بلائے ہوئے ہمراہ شباب آتے ہیں

صبح پیری میں بھی ہے نیند جوانی کی شہیر
تھکوا غافل نظر بٹکے ہی خواب آتے ہیں

۲ جون ۱۹۷۷ء

بات خاموشی میں وہ ہے جو نہیں تقریریں لطف گویائی کا ہے اے بت تہی تصویریں
سختی قید جنوں جھیلوں یہ ہے تقدیر میں ہے مری قسمت کا دانہ لہے کی زنجیر میں
خانہ زاو کا کل پچاں اسیر زلف میں پرورش پائی ہے ہم نے خانہ زنجیر میں
جم نہیں سکتا شبیہ یار میں رنگ وفا آ نہیں سکتی کبھی خوشبو گل تصویر میں
سو رہے ہیں کشتہ بے خواب لے قاتل تھے نیند آئی ہے ہوائے دامن شمشیر میں
جراتِ عرضِ تمنا خوف سے ہوتی نہیں مطلب دل ڈر سے لاسکتے نہیں تحریر میں
حضرت یعقوب شب کو خواب میں آئے نظر صبح کو وہ غیرت یوسف ملا تعمیر میں

ہو گیا تیرا جل کا میں نشانہ لے شہیر
رہ گئیں سب حسرتیں مرکز دلِ نچیر میں

و لا

رہا ہے یوں تیرا قرب عاشق و لگیر میں دل میں ہے پیکانِ دل ہے جا پیکانِ تیر میں

اہل میں ہیں ایک دنوں نگ ظاہر ہے فرق
 خون کی سرخی سفیدی ہو گئی ہے شیر میں
 ہے سر شوریدہ میں بچپن سے سودا زلف کا
 ہوش بھی میں نے سنبھالا خانہ زنجیر میں
 گرمی الفت ادھر ہے سرد مہری اُس طرف
 ہم عرب میں وہ بت بے مہر ہے کشمیر میں
 خط تو بھیجا ہے انھیں لیکن یہ ہے پور القین
 پیش آئیگا وہی لکھا ہے جو تقدیر میں
 عاشقان ابروئے جاناں عبث ہی کٹ مے
 چل گئی تلوارِ ناحق کو چہ شمشیر میں
 سینہ گردوں سے بھی آہ رسا ہوتی ہے پار
 توڑ اتنا اور یہ پلہ ہوائی تیر میں

عشق چشم یاز نکلا پھیر قسمت کا شہیر
 آگئی گردش اُن آنکھوں کی ہی تقدیر میں

۱۰۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء

خلد کی نعمتوں میں لذت آزار نہیں
 اتنی حوریں ہیں مگر کوئی دل آزار نہیں
 بازی عشق میں سر دینے سے انکار نہیں
 جان پر کھیلنا جانا زونکو دشوار نہیں
 مار ہی ڈالو جلانا نہیں منظور اگر
 وعدہ قتل تو کچھ وصل کا اقرار نہیں
 سوکھے تنکے کی نہیں آگ میں سستی کوئی
 تحمل تن فرقت کا دل زار نہیں
 ہو کے ہم مجرم الفت کسی قابل نہ ہے
 ہو گئی حد کہ سزا کے بھی سزاوار نہیں
 پاؤں پھیلا کے وہ اب چپ گھر میں سوئیں
 فر گیا میں کوئی نالاں پس دیوار نہیں
 پاؤں کو توڑ کے کیوں آبلہ پا بیٹھیں
 کیا زمانہ میں کمیں وادی پر خار نہیں
 دیدہ دل سے تمھیں دیکھتے ہیں اہل نظر
 لاکھ پردے بھی انھیں مانع دیدار نہیں

فصل گلِ عمرِ جوانی کو گزر جانے دو ترکِ مے سے مجھے پھر واعظوا انکا نہیں
 مر گئے جاگنے والے شبِ فرقت کے شہیر
 قیروں میں سو رہے ہیں اب کئی بیدار نہیں
 ۳۱ اگست ۱۹۷۷ء

اعتبارِ عمرِ مسانی کچھ نہیں چارون کی زندگانی کچھ نہیں
 وقتِ پیری زندگانی کچھ نہیں زندگانی بے جوانی یہ کچھ نہیں
 آنسوؤں سے کیا بجھے دل کی لگی آگ کے آگے یہ پانی کچھ نہیں
 سُن کے وہ افسانہ الفت مرا بوسے یہ جھوٹی کہانی کچھ نہیں
 اُس قفس میں دی جگہ صیائے جس میں ہفتوں دانہ پانی کچھ نہیں
 بے بقا ہے عالمِ ناپائیدار کچھ نہیں دنیا سے فانی کچھ نہیں
 خشک ہے بے اشک کشتِ آرزو سوکھتا ہے دھان پانی کچھ نہیں

جامِ مے جب تک ہے گردش میں شہیر
 خوفِ دورِ آسمانی کچھ نہیں

دسمبر ۱۹۷۷ء

نیلے سوزِ دل کے آہیں تل کر سکتے ہیں بجائے اشک گرم آنکھوں سے اب نگر سکتے ہیں
 مددِ ہوشِ تابعدارِ وقتِ دستگیری ہے نورِ کردہ حجابِ ناز سے باہر سکتے ہیں
 حیرتِ رگِ تائمرِ مجھ مایوس و محزون کو کسی کسے دل کے ارماں لے فلکِ نکیر سکتے ہیں

نمائش کہتی ہے اٹھو کیا کہتی ہے گھر بیٹھو
 نہیں ہے طاقت قریب اور ناتوانی سے
 کسی کو قتل کرنے کو انھیں دیکھا نہیں لیکن
 ابھی تک میرے دل سے اجل سختی دور آن
 ہلاکت کا سبب ہوا جاننا دون فطرت کا
 تنصاف چوٹی کی آتی ہے جہاں کچھ نہ سکتے ہیں

شبِ عدد شہسیر آتے ہیں روح تازہ جو ہر کہ

ہم رخصت سحر کو جان وہ بن کر نکلتے ہیں

دل کی چوٹیں غم بن بکھر نمایاں ہو گئیں
 عیشِ شب کی صحبتیں خواب پریشان ہو گئیں
 عقل و دانش کی کتابیں کون پڑھتا عشق میں
 شاہماگل میں گھر کر قیدِ بیل ہو گئی
 حیلہ جو تھیں رحمتیں حق کی پے غفو گناہ
 وہ ناامید کیا اٹھاتیں سرزدِ مایوس میں
 چار بوندیں تھیں اموی دلِ حاکم کی کائنات
 قیدِ آب و گل سے دنیا میں چھوٹے کائنات

بھوٹے وعدہ دیکھ جو دل خوش کن امیدیں شہسیر

وائے ناکامی کہ وہ بھی یاس و حرام ہو گئیں

سوزِ غمِ الفت کو رور و سکے بڑھاتے ہیں
ہیں ضبط کی تاکیدیں آئینِ محبت میں
سنگ در جاناں پر حیلہ ہے ہمیں سائی
یوں کا رکنِ فطرت کرتے ہیں چمنِ بندی
رکھیں کھلی تربت میں احبابِ مرالاشہ
بیٹھے ہوئے پانی میں ہم آگ لگاتے ہیں
پنی جاتے ہیں جب آنسو آنکھوں سے نکلتے ہیں
ہنستے ہوئے جاتے ہیں ہنستے ہوئے آتے ہیں
شبنم کو رلاتے ہیں پھولوں کو ہنساتے ہیں
کچھ عیب نہیں ہوں میں جو مجھ کو چھپاتے ہیں

کیوں آپ شہیر انکو کر لیتے نہیں راضی
منت سے خوش آمدتے ہوئے کو مناتے ہیں

صورتِ وحدت آنکارِ دیدہ امتیاز میں
نغمہ سازِ سوزِ غم - نالہ دلنوازیں
چشمِ حقیقت آشنا - آئینہ مجاز میں
حالِ مرہضِ ہجر کا - کیا ہے شبِ دراز میں
نقے تو پڑکے سور ہے پہلوئے خواب ناز میں
لے دل درو آشنا اس سے جدا کا کیا گلہ
پلوں نکالتے نہیں وہ تو حرمِ ناز سے
انکے لبِ زبان میں گو جو ہر راستی نہو
تاوں کی گرم جوشیاں - آہوں کی سرد مہراں
جو ہر فردِ درو تا آئینہ مجاز میں
گرمی شوقِ پردہ آہِ جگر گداز میں
دیکھ رہی ہے اسکا عکس ہے حجابِ ناز میں
جلنے وہ کیا جو سوئے جلے حرمِ ناز میں
سحر کو راہِ دل گئی دیدہ نیم باز میں
ذوقِ تم بھی ہو ملا جمل کی ادائے ناز میں
سجدے یہاں ہیں بقدرِ انصافِ نیاز میں
جھوٹی تسلیاں تو ہیں وعدہ حیلہ ساز میں
کرتی ہیں کارِ سازیاں عشق کے سوز و ناز میں

آپ کا دل تو پھر ہے دل رنگ بھی تو موم ہو
 راہ تلاش یار میں جتنے ہیں فرہ ہائے خاک
 روزِ سیاہ ہجر کا ہو گیا سایہ بھی شریک
 برق جمال طور سوز۔ نورِ جمال و لافروز
 باشاشتِ غم کے ساتھ آہوں کی کلیاں بھی ہیں
 گریزِ پیر۔ فدائے لاکھوں تینگے جل مرے
 شمع بھی۔ سحر ہوئی۔ اوٹھ گئے اہل بزم بھی
 سر سے ٹپٹے جب قدم گر گئے آپ منہ کے بل
 شمسِ نظارہ سوزِ پرتابِ نظر کسے شہیر
 مصلحتاً اسی سے تو وہ ہیں حجابِ نازیں

ردیف و

نبی سا جو معشوق عاشقِ منسا ہو
 علی سا و صی جس کا مشکل کشا ہو
 وہ محبوبِ حق کیوں نہ صلِ علی ہو
 وہ کونین کا کیوں نہ حاجت روا ہو
 اگر پردہٴ میم احمد اٹھا ہو
 تو شانِ احد صاف جلوہ نما ہو

جو عشقِ بنی میں شہید و فنا ہو تو مرنے میں جینے کا حاصل مزا ہو
 رہوں محوِ نظارِ رُروئے احمد مری چشمِ حق میں نورِ خدا ہو
 غرض یہ ہے اے شافعِ روزِ محشر مرا کام اور نام آپ کا ہو
 شہیر اُس کی است کو کیا خوفِ محشر

جو محبوبِ حق ہو شفیعِ الورا ہو

لے ساتھ اپنے ہر دم رکھتی ہے گرم عنایاں مجھ کو
 گھٹی جاتی ہے قوت دیتے جاتے ہیں ابا عنایاں
 کھلے ہاتھ دے دیتے ہیں راستہ میں کارواں مجھ کو
 یہاں سے اب کہاں لیا بیگی عمر رواں مجھ کو
 سفر کا خاتمہ ہے منزلِ پیری پہ آپہونچے
 مثلِ مشور ہے یہ سب اپنی جانِ پیاری ہے
 میں ارضی تھا خوشی سے اپنی قسمت بدل دیتا
 اگلے دوستو ملتا نصیب دشمنان مجھ کو
 نفس میں اپنی بے بالی پری پرہیز دتا ہوں
 جب اے صیاد آجاتی ہے یاد اشیائِ مجھ کو
 ہوا خواہ چین ہوں مگر تھے پھونکا بھڑا ہوں
 مخالف جانتا ہے کس لئے باغیاں مجھ کو
 نہ رونے پر ہنسوتا زہ گرفتار مصیبت ہوں
 ابھی اچھی طرح آتی نہیں آہ و فغاں مجھ کو

میں نگہ دو دماں ہوں جانتا ہوں شہیر کو

غلط ہے لوگ کہتے ہیں جو فخرِ خاندان مجھ کو

۵ / نومبر ۱۹۷۷ء

رنگِ نیاز و شکر ملا ہے بہار کو دیکھو جھکا گلوں سے سرِ شاخسار کو

ہو دیکھنا اگر ستم روزگار کو دیکھ نفس میں جھکو چمن میں بہار کو
 جلوہ دکھا کے خوشی برق جمال کا تڑپا رہے ہیں اور دل بیکرار کو
 گویا ہے ایک قطرہ شبنم جو ک خار یوں ہے ثبات ہستی ناپائدار کو
 رکھتے نہیں کسی سے مکر ہم اپنا دل آئینہ میں جگہ نہیں دیتے غبار کو
 پھولوں کو دیکے اپنے پر زکی ہوا طیو بھڑکا رہے ہیں آتش رنگ بہار کو
 غربت کی شام صبح وطن دونوں دیکھ کر سمجھا میں راز گردش بیل و نہار کو
 پیری میں بھی شہیر شگفتہ ہو دل اگر
 میں موسم خزاں میں دکھا دوں بہار کو

اشکوں سے موزالفت میں کس طرح کمی ہو وہ آگ یہ نہیں ہے پانی سے جو بجھی ہو
 خود نوصہ گرد اس پر کیوں مرگ بے کسی ہو پر سان لے غریب جس کا کہیں کوئی ہو
 ہو رشتہ جو کوئی یا غیرت پری ہو حیوان سے ہے بدتر جب تک نہ آدمی ہو
 جلوے سے جسکے آنکھیں روشن ہوئیں ازل میں پہچانتا ہوں صاحب میں غروب تم وہی ہو
 وقفہ چھلکنے میں کیا لبریز ساغروں کے کیا ڈبڈبائی آنکھوں میں اشکوں کی کمی ہو
 یہ ٹیک ہے انوکھی یہ ضد بھی ہے نرالی جو میں کہوں نہ وہ ہو جو تم کو وہی ہو
 آواز لن ترانی گوش آشنا ہے میری مشتاق میں ہوں جس کا تم ہو نو وہی ہو

تھا لطف شعر خوانی تا عالم جوانی
 پیری میں لے شہیر اب کیا خاک شاعری ہو

نالہ دل ہے بے اثر سخت جگر اگر نہ ہو
نورِ جمال پاک اگر آنکھوں میں جلوہ گر نہ ہو
گرمی حسنِ یار کا جلوہ ہر ایک شے میں ہے
پرسشِ حالِ دل کا ہائے کیا میں اغنیوں میں
گردشِ چشم میں ہے کیفِ ساغرِ مے کے دور کا
پاسِ ادب ہزارے مجھ کو صیقلے دورِ باش
تیر نشانہ کیا اسے کچھ بھی جو زور پر نہ ہو
روشنی بصر بھی شیعہ غتہٗ نظر نہ ہو
نار میں کیوں نور ہو سنگ میں کیوں شہر نہ ہو
اسکو کسی کی کیا خبر اپنی جسے خبر نہ ہو
ساتی بزم بے خودی آپ ہی کی نظر نہ ہو
چہرہ یار سے جدا میری مگر نظر نہ ہو

روزِ فراق وہ طویل جس کی نہ شام ہو شہیر

ہجر کی رات وہ دراز جس کی کبھی سحر نہ ہو

کچھ ہو عیاں نہ لیکن سوزِ غم نہاں ہو
ہوئے کوئیوں تو ہر جا ہر وقت ہر زباں ہو
گردن کی رگ سے بھی ہو نزدیک تر جو ہر دم
ہے جب بہار رنگ بچے چمن دو روزہ
مارو جلاؤ ابتدا آزاد دو کہ جی لو
یہ مارِ غم کی صحت ہے منحصر اسی پر
ہو جاؤں راکھ جگر بھر بھی نہ کچھ ہواں ہو
لیکن چھپے ہو ایسا کھلتا نہیں کہاں ہو
ہے طرفہ تر تماشائے آنکھوں سے وہ نہاں ہو
گلشن میں شاخِ گل پر کیا فکر آشتیاں ہو
مالک ہو رنج و تن کے تختہٗ حرمِ و جاں ہو
یعنی جو چارہ گر ہو وہ کچھ مزاجِ داں ہو

گزری شبِ جوانی ہے وقتِ صبحِ پیری

دیکھیں شہیر ہم کو شامِ آج کی کہاں ہو



رولیت ہ

لے شیخ آنکھ اگر ہے تو روئے نگار دیکھ
 چل بتکدے میں قدرت پروردگار دیکھ
 ہاں اک نرا ادھر بھی تو لے چشم یار دیکھ
 آتما ہوا قرار دل بے قرار دیکھ
 لے کان جو نواسے طرب اور کچھ نہ سن
 لے آنکھ صرف صورت زیبائے یار دیکھ
 ہے رنگ انقلاب سفید و سیاہ دہر
 لے غافل آنکھ کھول کے یل و نہار دیکھ
 بجلی کو دیکھنا ہو جو لے شیخ برق و ش
 بیتابیوں میں میرا دل بیقرار دیکھ
 لے جوش غم نہ قطع ہو رونے کا سلسلہ
 اشکوں کا میرے ٹوٹنے پائے نہ تار دیکھ

دولہا بنے ہوے ہیں جوانان بوستاں
 چل لے شہیر حسن عروس بہار دیکھ

رولیت می

نہ ہو جس دل میں تم وہ دل نہیں ہے
 کہ بے محل نشیں محفل نہیں ہے
 مراد دشمن ہے میرا دل نہیں ہے
 کوئی اس کے سوا قاتل نہیں ہے
 جو داغ عشق کے قابل نہیں ہے
 وہ اک بیکار شے ہے دل نہیں ہے

جو تم چاہو تو کچھ مشکل نہیں ہے
مرے قابو میں میرا دل نہیں ہے
ہزاروں کوس تک ساحل نہیں ہے
خدا کا بھی وہ بت قایل نہیں ہے
خدا کا گھر ہے میرا دل نہیں ہے

جو ہم چاہیں ہیں دشوار ہے وصل
تمہارے ہاتھ میں اوروں کے دل ہیں
محیط عشق ہے وہ بحر ذخار
خود ہی ایسی سمائی ہے کہ توبہ
نہ توڑے خانہ بر انداز کا فر

بتوں کی یاد میں بھی ذکر حق ہے

شہیر اللہ سے غافل نہیں ہے

دل غمگین سے گوشہ عزلت کے واسطے
حسن و جمال ہے تری صورت کے واسطے
کام آئے خوب بجز میں داغ دل و جگر
لے عشق تیری وجہ سے سب بے ہوئے
طول شب فراق سے گھبرا گیا یہ جی
سچ ہے مریض ہجر و محبت کی جان کیا
کب تک رہیں گی پرے میں یہ ن ترانیاں
کوچہ میں ان کے ہے یہ صدا مجھ فقیر کی
حسن و جمال دوست کا دل جلوہ گاہ ہے
گھبرا نہ جائیں دیکھ کے دم توڑتا ہوا

اچھا چراغ پایا ہے خلوت کے واسطے
صورت تری ہے عشق و محبت کے واسطے
دو دو چراغ تھے شرفیت کے واسطے
دشمن بنے ہر اک سے محبت کے واسطے
مانگیں دعا ہیں صبح قیامت کے واسطے
کیوں کوئی آئے میری عیادت کے واسطے
آنکھیں ترستی ہیں تری صورت کے واسطے
دو گز زمین چاہئے تربت کے واسطے
یہ آئینہ ہے یا ر کی صورت کے واسطے
وہ نزع میں نہ آئیں عیادت کے واسطے

یہ جتنے فتنے اٹھتے ہیں روزِ اُگلی چال سے سب جمع ہو رہے ہیں قیامت کے واسطے
 فرماتے ہیں وہ سُن کے تخلصِ شہسیر کا
 رکھا ہے خوب نام یہ شہرت کے واسطے
 ۶۔ اگست ۱۹۲۳ء

چلے تھے گھر سے کعبہ کو سوئے دیرتیاں آئے ارادہ تھا کہاں کا بھول کر رستہ کہاں آئے
 شب وعدہ وہاں کا ہیکو وہ آرام جاں آئے جہاں مرغِ سحر بولے جہاں شورِ اداں آئے
 ترادر چھوڑ کر اے بت جو مجھ سا پائے شکستہ ہو کہاں اٹھے کہاں بیٹھے کہاں جانے کہاں آئے
 نفس میں صورتِ ابرہاری جسکو رونا ہو اُسے کیا مسکمل جائے یا فصلِ خزاں آئے
 ڈراتی ہے درازی شبِ غم کس کی فرقت میں نہیں ڈرتا بلائے موسے میں کہے ہاں آئے
 زباں اپنی تنو کا مہرِ طرِ عرضِ مطلب میں بلا سے کچھ نہ آئے لیکن اندازِ بیاں آئے
 سلامت ہو سرِ شوریدہ تو افتاد کا غم کیا جہاں تک آنے والی ہو بلکے آسمان آئے
 مے نالے شبِ غم یہ منادی کہہ تے پھرتے ہیں جسے ہو جانِ پیاری وہ نہ زیرِ آسمان آئے
 سنو تم گوشِ دل سے تو سناؤں اپنا افسانہ مرا بھی جی لگے تھک بھی لطفِ آستان آئے

تعارف لے شہسیر اُصل در ہوتا ہے اشیا کا
 خیالِ دشمنان میں کیوں نہ یاد دوستاں آئے

۲۶۔ ستمبر ۱۹۲۳ء
 شب بلا کیا خبر کسی کو کہ غم سے حالت ہے کیا کسی کی

غدا میں کون بتلا ہے کسی سے پوچھے بلا کسی کی
قبول ہوتی نہیں ہوں میں کبھی کوئی التجا کسی کی
زرا بھی ڈرتے نہیں یہ ظالم کہیں نہ سُن لے خدا کسی کی
خبر نہ ہو جب تو خاک سمجھیں ہم ابتدا انتہا کسی کی
کہاں سے آغاز ہے وفا کا کہاں سے حد جفا کسی کی
کریں گے برباد آکے جھونکے رہیگا قائم نہ کوئی ذرہ
تھامے کوچہ میں رہنے دیگی نہ خاک تک بھی ہوا کسی کی
زبان نا آشنائے شکوہ ہے لب گلہ سے نہیں ہیں واقف
یہ غیر ممکن ہے میں شکایت کبھی کروں اُنکی یا کسی کی
ادا کیا جس لب و زباں سے ہمیشہ شکرو سپاس قاتل
اُسی سے پیش خدا شکایت کروں میں محشر میں کیا کسی کی
کہیں ہے عقد گہر سے بہتر شہیر تعقید اس غزل میں
کرے کوئی اعتراض وارد مجال یہ کیا بھلا کسی کی

۲۶ ستمبر ۱۳۷۶ء

غلغلہ بہار باغ رشک نوائے سانپے رنگ شگفتگی گل پردہ کشائے راز ہے
عشق کے ساتھ حسن ساز عیب راز ہے یعنی دیا ہے جس نے دروآپ چاہ سانپے
دست ہوس میں اے اجل امن حرص آرز ہے طول امل کا سلسلہ عمر سے بھی دراز ہے

بے فراق جاگس۔ شادی وصل دل گداز
 صوم و صلوٰۃ کچھ نہیں۔ نور نقیہ اگر نہیں
 تیغ بکفت ہیں وہ اُدھر میں ہوں کھکھکائے رادھر
 ڈرتے ہیں برو کو سب کہتے ہیں کون منہ لگے
 کیفیت سے شباب سے ہوشربا میں جامِ چشم
 زینت ترک سے ضرور لیکن ابھی بہت ہے وقت
 گو کہ خدا سے ہے سوال۔ پھر بھی ہے سختِ فعال
 غم نہیں کار بستہ کا صاف ہے یہ کھلا کھلا
 کر دیا ناز آفریں ہر بتِ خوشِ جمال کو

یہ بھی شہسیر قدرتِ خالق بے نیاز ہے

بندے تھکے کافرو دیندار ہو گئے
 اعضائے جسمِ شیب میں بیکار ہو گئے
 ممنونِ منتِ بنِ مریم نہیں ہوئے
 ساری یہ عشق و حسن کی ہیں کارسازیاں
 آزاد اسیرِ سحر و زنا رہ گئے
 گرتے ہوئے مکان کی دیوار ہو گئے
 اچھے رہے جو عشق کے بیمار ہو گئے
 ہم دل نگار آپ دل آزار ہو گئے
 وہ داغ بن کے دل پہ نمودار ہو گئے
 وہ کھینچتے کھینچتے آپ ہی تلوار ہو گئے
 جس وقت اٹھ کھڑے ہوئے دیوار ہو گئے
 اُن کی کشیدگی نے ہزاروں کی جان لی
 کوچہ میں اُن کے نقش قدم بن کے پڑ رہے

یہ سہی پائے بادیہ پیچا ہے لے جنوں رستے جو کوہ و دشت کے ہموار ہو گئے
مرتے دم آئی ساقی بزمِ ازل کی یاد مستِ است نزع میں ہاشیار ہو گئے
آباد میکے ہوئے فصل بہاریں ہر سمت ٹوٹی توبہ کے انبار ہو گئے
سب مٹ گئیں شکایتیں سوزِ فراق کی ٹھنڈے دم سحر ترے بیمار ہو گئے

دامِ فریبِ ہستی ناپائیدار میں
ناحقِ شہسیر آکے گرفتار ہو گئے

زاہد و جانتے ہوشیہوں میں کیا ہوتا ہے پارِ سائی کا ہو سب میں بھلا ہوتا ہے
جلوہ آرائی صورت ہے طلسمِ حیرت حسنِ آئینہِ تصویرِ نما ہوتا ہے
ہنو کے عالم میں گزرتے تھے دیوانوں کا یہ وہاں رہتے ہیں جس جا کہ خدا ہوتا ہے
دلِ شکن باتیں وہ لکھتے ہیں جواب خط میں پیش آتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے
ساتھ دیتا نہیں کوئی شبِ تنہائی میں مجھ سے سایہ بھی سرِ شام جدا ہوتا ہے
بوسہ لبِ مجھ دیتے بھی ہیں تو غیر کے بعد شہد ملتا ہے مگر زہر ملا ہوتا ہے
قید میں مائل پرواز ہے روحِ بیل طائرِ جاںِ نفسِ تن سے رہا ہوتا ہے
شوق سے وار و مرے دل کو تم اپنے سر سے صدقہ سب جلنتے ہیں ردِ بلا ہوتا ہے

غازہ روئے قمر ہوتی ہے وہ خاکِ شہسیر

جس پر اس شوق کا نقشِ کف پا ہوتا ہے

دلِ عشاقِ عناصر سے جدا ہوتا ہے یہ تو کچھ اور ہی چیزوں سے بنا ہوتا ہے

پار کر دیتا ہے بیڑا وہی مایوسوں کا
 نہیں رہتی کسی بیدرد کو بھی تابِ نظر
 لے فلک لاگ لگانا نہیں ہم سے اچھا
 پرسشِ حالتِ دل ہوتی ہے نشتر بہ جگر
 رہتے ہیں زندہ جاوید شہیدانِ وفا
 سیر ہوتا ہی نہیں لذتِ آزار سے دل
 عینِ دانائی ہے مجنونِ محبت بننا
 ہائے پریساں نہیں بیمارِ محبت کا کوئی
 ناخدا ڈوبتی کشتی کا خدا ہوتا ہے
 نگہِ یاس میں وہ درد بکھرا ہوتا ہے
 دل جلاؤنے سنا ہو گا برا ہوتا ہے
 دردِ ہمدردیوں سے اور سوا ہوتا ہے
 ان کا ہر قطرہٴ خوں آبِ بقا ہوتا ہے
 کچھ عجب دردِ محبت کا مرا ہوتا ہے
 دل مرا عاقل دیوانہ نما ہوتا ہے
 کون آمادۂ تدبیر شفا ہوتا ہے

اپنے اللہ سے کہدیتا ہوں سب دل کی شہیر
 سننے والا مری باتوں کا خدا ہوتا ہے

مئی ۱۹۷۷ء

ہے دہال جاں شبِ غم یہ گراں جانی مری
 شکوہ و وعدہِ خلافی کر کے خود مجبور ہوں
 درپے حسنِ قناعت ہے زلیخائے ہوس
 دونوں میں غماز گویا رازِ حسنِ عشق کے
 سجدے کو ملتا نہ سنگِ آستانِ یار اگر
 ہے نمودِ سیمائی یا طلسماتِ حساب
 کھوئے اک لے اجل تکلیفِ وحانی مری
 بڑھ گئی اُن کی ندامت سے پشیمانی مری
 کم نہ ہو یوسف سے یارِ پاکِ دامانی مری
 آپ کی جمعیتِ خاطر پریشانی مری
 ناکِ گھستی کس کے در پر جا کے ہشانی مری
 نقشِ بر آب لے اجل ہے ہستی فانی مری

آج رکھ لی آبرو و شرم گنہ نے حشر میں اس پریشانی میں کام آئی پریشانی مری
تھی کنارِ نیستی میں پرورش پائی ہوئی بے بقا کیونکر نہ ہوتی ہستی فانی مری

پاک ہے عقیدے ہر شعر کی کیسی ردیف

اے شہیرِ نکستہ رس دیکھی سخن دانی مری

۱۹۔ دسمبر ۱۹۲۲ء

پھنسیں قبیح آبِ گل میں دھیں جسمِ انسانی کی
مری صورت پرستی معنی حسنِ عقیدت ہے
پلا دیتے ہیں پانی پاؤں کے چھالے تر کھاکر
نہیمت و حشمت جامہ دے ری کو کیوں نہیں سمجھوں
کنا کی گنگنائے دل میں طرب اتنی وسعت ہے
اثر چہرے ہی سے ظاہر ہے رنگِ نامرادی کا
نظر آئے تاشا پتلیوں میں عکسِ قاتل کا
تو مجھ جذبِ الفت سے ہوا تو تشنہ کیسیا
کیا ہے عشق نے مجموعہ ہوش و حواسِ ابر
زرا بھی جب کو فرصت ہو نہ اپنی گنگھی چوٹی سے
اوجھنا سینہ میں رہ دل بیتاب و مضطر کا
شہیر اس عاشقِ ناکام کو ہر کام مشکل ہے
عناصر کی حدیں سمتِ یواریں ہیں زندانی
تجلی ہے جمالِ شاہدِ پیدا میں ہنساں کی
زبانیں دیکھ کر سوکھی ہوئی خارِ سیاہی
یہی ہے یادِ گارا کہ صحبتِ دست و گریباں کی
کہ گنجائش نکلتی آتی ہے غمہائے وراں کی
مری صورت ہی آئینہ ہے شکلِ مایہ و حرمان کی
اگر کہنے کوئی تصویر میری چشم حیراں کی
محبت میں نہیں تفریق کوئی جانِ ماناں کی
کرے شیرازہ بندی کون ان اجزلے پریشانی
بھلا وہ کیا خبر لیگا مرے حالِ پریشانی
قفس میں بہت پر وادہ ہے مرغِ پرافشانی
جسے آسانیاں شواریاں ہیں کارِ آساں کی

پہلے تو گھبراتی تھی قالب میں روح آتے ہوئے
تھی نگاہ اول الفت نگاہ واپس
کوچہ قاتل میں میری قبر کا ہے یہ پتہ
داور محشر نے دیدی میری منہ مانگی مراد
قد آدم اور بھی شور قیامت بڑھ گیا
جب سوئے مرقدوں میں آکے پھر کوٹ نہ لی
گورے بھی بڑھ کے مردم خور تو یہ فکر ہے
صبح رخصت ہے ابھی تا شام صینا ہو چکا

جان نکلی جاتی ہے اب جسم سے جاتے ہوئے
دیر کیا تھی دل کو آتے جان کو جاتے ہوئے
داہنے پڑتی ہے جلتے بائیں کو آتے ہوئے
کیوں ہوس خور و کی میں کرتا تھیں جاتے ہوئے
عرصہ محشر میں وہ آئے جو اٹھلاتے ہوئے
مست خواب مرگ ایسے نیند کے ماتے ہوئے
دیر ہی گنتی نہیں انسان کو کھاتے ہوئے
اک نظر پھر دیکھ لے اے جان جان جاتے ہوئے

یاد ہیں دن بھاری نوجوانی کے شہیر
پھرتے تھے راتوں کو جب گلیوں میں گاتے ہوئے

۲۱۔ دسمبر ۱۹۷۶ء

صحبت تری عام ہو گئی ہے
کنے لگے ہیں جو صبح سے حال
ہر گھر میں تری تبلی حسن
قاضی کو حلال مفت کی ہے
شب کو وہیں پڑ رہے ہیں تھک کر
سے نوشوں کی سر نوشت لے شیخ

اس سے بدنام ہو گئی ہے
اکثر ہمیں شام ہو گئی ہے
زیب درو بام ہو گئی ہے
داموں کی حرام ہو گئی ہے
جس جا ہمیں شام ہو گئی ہے
خط لب جام ہو گئی ہے

دنیا کو طلاق دو جو انو بوڑھی بے کام ہو گئی ہے
 پیری میں شب شباب کی بات یاد ایام ہو گئی ہے
 دنیاے سخن میں اے شہیرا ب
 شہرت مرا نام ہو گئی ہے

ہماری لاش جس دن کو چہرہ قاتل سے نکلیگی
 کسی دن تو ہمارے دل کی حشر دل سے نکلیگی
 اگر ہے عشق صادق تو اثر بھی آہ میں ہوگا
 مجھے چڑھ چڑھ کے وہ کوسینگے میں اُنکو دعا دوں گا
 وہ اُن کے دل سے نکلیگی یہ پیر دل سے نکلیگی
 وہی رُخوا ایگی آنسو ہلو کے چشم قاتل سے
 زمانہ بھر کی بربادی کا گھر ہو گا دل ویراں
 خرابی ساری دنیا کی اسی منزل سے نکلیگی
 شہیرا ب عالم پیری ہے کچھ تو فکر عقی کر
 ہوس دنیا کی اے غافل نہ کبتک دل سے نکلیگی

۲۰- اپریل ۱۹۷۷ء

تہنا لڑے گی مجمع محشر میں سبھی سے
 ناراض نہ ہو۔ تھا مرا اہلکار ہنسی سے
 لا لکھوں میں بھی وہ آنکھ نہ جھپکے گی کسی سے
 لوشوق سے میں دل تمہیں دیتا ہوں خوشی سے
 کلمہ شیخ کو دیکھا تھا کہ ساتی کی لگی سے
 کیا جھومتے گاتے چلے آتے تھے خوشی سے
 خاموشی شرم آپ کی ہے غنجہ لبی سے
 دامن حیا کی ہے بہار ایک کلی سے

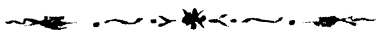
تنہائی میں باتیں جو ہو کرتی ہیں جی سے افسوس اُسے کہ نہیں سکتا میں کسی سے
 ہیں مست شہیر آج مئے حب علی سے کلمہ حشر میں کوثر کی اڑائی گئے خوشی سے
 انسان نے وہ بار غم عشق اٹھایا جو جن و ملائک میں نہ اٹھا تھا کسی سے
 اغیار بھی تو مدعی عشق ہیں آخر نفرت تھیں ان سے بھی ہے یا ضرر مجھ سے
 کچھ درد محبت کا مرہ کہہ نہیں سکتا اس لذت آزار کو پوچھو مرے جی سے

کیا غم بھی ضروری ہے شہیر اپنی خوشی میں
 دیکھا ہے کہ آنسو بھل آتے ہیں خوشی سے

۲۹۔ ستمبر ۱۹۷۷ء

یک دلی کا لطف محال عشقِ کامل میں ہے جو ہمارے دل میں ہو وہ آپکے دل میں ہے
 وسعت کو نہیں جس کے واسطے کافی نہ ہو قدرت حق ہے سمٹ کر وہ مرے دل میں ہے
 ہو گیا جس جا گزر۔ اُس جا گھر اپنا کر لیا ہو گئے اُس دل کے مالک آپ جس دل میں ہے
 ہم تو از خود رنگی سے اپنے آپ میں شہتے کیا بتائیں کس طرح اس بت کی محفل میں ہے
 ہم کو اس شہرِ خوشنما سے اٹھائے شور حشر کون منہ باندھے ہوئے گو گو کی محفل میں ہے
 سوزِ غم داغِ جگر کے ساتھ اک یہی سہی دردِ الفت کیوں کہیں جائے مرے دل میں ہے

خافقہ سے بزمِ ننداں میں آجائے ہیں شہیر
 پہلے تو اسد والوں ہی کی محفل میں ہے



۳۔ اکتوبر ۱۹۷۲ء

وہ نار ہوں کہ باعثِ آزار سانس ہے تارِ نفس مری رگِ گردن میں پھانس ہے
اس بے پری پرآہ اسیرِ نفس بھی ہوں صیادِ رنگدل کی یہ سب کاٹ پھانس ہے
بے کس مرین، ہجر کا پر ساں نہیں کوئی بس آنے جانے والی اگر ہے تو سانس ہے
نیز نگ عشق یہ ہے کہ افسدِ اوجہ ہیں کیا نالہ ہائے گرم ہیں کیا ٹھنڈی سانس ہے
حالتِ مرین، ہجر کی اب پوچھتے ہو کیا سا قسطِ نفس بہ جسم ہے سرد، اکثری سانس ہے
دنیا سناے فلسفہ، زندگی ہزارا ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جو کچھ ہے سانس ہے

عشقِ مرہ کی دل سے غلش جا چکی شہیر
نکلے وہ کس طرح جو کلیجہ کی پھانس ہے

۱۲۔ نومبر ۱۹۷۲ء

لبِ سو فار جو سرگوشیاں کرتا ہے قاتل سے وہ کہہ دیتا ہے سب پر کان تیرا کونے دل سے
نہ نکلا کام کوئی مرتے دم بھی نالہ دل سے لہو میں ڈوبی ہاں اک آہ نکلی وہ بھی شکل سے
اگرچہ کام لیتا قیس اپنے جذبہ دل سے نکل آتی ترپ کر آپ ہلی اپنی محل سے
سحر سے عرصہ محنت کو طے کرنا قیامت ہے کہیں یہ دوسری منزل کڑی ہے پہلی منزل سے
نہیں آسان لے دل صاف ہونا تجھ سے نفوں کل جو گتھی بڑھ گئی ہے وہ ذرا سنبھیلی نمک ل سے
اگر کوئی تمنا بھی برائی لے فلک تو کیا ہزاروں حسرتیں ایسی ہیں جو کئی نہیں لے
غم و اندوہ و درد و داغ و یاس و حسرت و صراں یہ اتنے بیکسوں کی پردہ کش ہے کونے دل سے

بتا اے بید مجنوں کیا ہوا سائیشیں تیرا بہت روتی ہے سڑکر کے سیلی چوب محل سے
 دونی کا اٹھ گیا پردہ تو کچھ جلوہ ہر وحدت کا تقرب ہو گیا حاصل جہل دل مل گیا دل سے
 تلاشِ یار میں پروا نہیں طولِ مسافت کی مرے پائے طلب تھکتے نہیں دُری منزل سے
 سوا اللہ کے کوئی سمجھتا ہے نہ سنتا ہے زبان بے زبانی میں جو باتیں بتی ہیں دل سے

طبیعت میل ہی کھاتی نہیں ظاہرِ ستوں میں
 شہیرا سے میں ملنا چاہتا ہوں جی ملے دل سے

۱۔ اپریل ۱۹۷۷ء

اقرار وصل کر کے وہ آکار کر گئے دیکر زبان - قول بل کر مگر گئے
 اب تک پھر نہ کوئی - کئی نامہ بر گئے کم بخت سب کے سب وہاں جا جا کے مر گئے
 وہ میرے گھر سے وقت طلوع سحر گئے تڑکا ہوا جو نور کا اندھیر کر گئے
 بے سود زندگی ہے جوانی نہ جب ہی جو حاصل حیات تھے وہ دن گذر گئے
 آتے ہی جلدی پڑتی ہے جانے کی بھی انھیں حالت یہ ہوتی ہے ادھر آئے ادھر گئے
 غم اپنے قتل کا نہیں اس کا خیال ہے ناصق ہمارے خون میں یا تھے اُنکے بھر گئے

پوچھی جوان سے خیریت حضرت شہیر
 فرمایا ہنس کے - سنتے ہیں بیچارے مر گئے

آغوش شوق میں جو دبایا مزار نے لطف وصال یار دکھایا فشار نے
 کیا ضبط آہ و اشک کیا خاکسار نے روک لپے آندھی پانی کو شست غبار نے

پانی سے اور آتش گل تیسز ہو گئی
ظاہر نہونے پائیں سیہ کاریاں مری
بھڑکانی آگ آتش ابر بہار نے
کیں خوب پرودہ پوشیاں شہنائے تار نے
سجدہ قبول کر کے جبین نیاز کا
دکھ درد میں نہیں ہے کسی کا کوئی شریک
کیا سر بلند مجھ کو کیا پائے یار نے
چھوڑا ہے دل کا ساتھ شکیبے قرار نے
اندھیر کر رہے ہیں شب وصل آپ بھی
بیٹھے ہیں آدھی رات کو زلفیں سنوارنے

دیتے ہی دل بنا نہ کوئی بس چلا شہسیر
بے اختیار کر دیا۔ باختیار نے

۳۰۔ اگست ۱۹۷۷ء

فلک نے رہگذر یار میں فنا کر کے
وہ کام۔ قیس مرا جس کی ابتدا کر کے
مٹایا خاک نشینوں کو نقش پا کر کے
اب اُس کو میں نے دکھایا ہے انتہا کر کے
میں گے ہم دل و جاں آپ پر فدا کر کے
کمی وفا میں نہ کی وعدہ وفا کر کے
پہنچتی ہے گلِ عارض کی دور تک مشبو
دمِ اخیر ضعیفی میں آئی یا خدا
بتوں نے کر دیا بے آس آسرا دے کر
منو دپائی تھی دم بھر کی وہ بھی نقشِ بربک
منہ شفاعت و رحمت کے لئے محشر میں
گناہگار ہی اچھے رہے خطا کر کے

کمال دل سے نہ پیکان تیرا و بیداد
ستانہ گوشت سے ناخن کو یوں جدا کر کے
نتیجہ کیا ہے پرستاری تہاں کا شہیر
بہشت و حور نہ لوطاعت خدا کر کے

جس میں ہے لطف نیست وہ اپنی ممت ہے
دنیا میں کس کو قید فنا سے نجات ہے
دکھلا رہا ہے جلوہ ابرو وہ ماہ عید
ظاہر پیا میر پر اُسے کس طرح کروں
جاہل کو قدر کیا ہو فروغ کلام کی
میتے نہیں اجازت اظہار حال وہ
گرایاں ہیں ساتھ ساتھ جنازے کے اقربا
اک بوریا ہے فقر ہے دو گز زمین پر
یہ کیسا ہے کون وہ ایسا ہے خوش نصیب
ترابہ کے اتقا و عبادت میں ہے ریا
مے سفید پر ہی سیہ کاریاں وہی
گھیر میں نیستی کے ہے ہستی بے بقا
مسرور وصل کوئی۔ کوئی غم نصیب ہجر
دنیاے شاعری میں ہاں شہیر کی

خونناہ جگر مجھے آب حیات ہے
دام بلائے مرگ میں مرغ حیات ہے
اہل نجوم جانتے ہیں چاند رات ہے
جو فاص اُنکے کان میں کہنے کی بات ہے
اندسے کے آگے دن بھی اگر ہو تورات ہے
سننے نہیں سمجھتے ہیں مطلب کی بات ہے
دوٹھا ہے خواب مرگ میں روتی بات ہے
میری یہی بسا طہی کائنات ہے
جس پر حضور کی نظیر التفات ہے
والد سب ناماشی صوم و صلوات ہے
پیری کی صبح مچھو جوانی کی بات ہے
دور فنا میں دائرہ کائنات ہے
کیفیتیں تو دو ہیں۔ مگر ایک بات ہے
ہاں اُسکی عمر بھر کی ہی کائنات ہے

سلسلہ ۲

حشر میں بھی سکیسی مجھ پر رہی مچھائی ہوئی دور اس مجمع میں بھی مجھ سے تنہائی ہوئی
 تھی نگاہ شوق پہلے ہی سے لچائی ہوئی باعث تحریک اور اس بت کی انگریزی ہوئی
 عمر سب اپنی جو صرف بادہ پیسائی ہوئی مر کے تربت سبزہ مرقد سے مینائی ہوئی
 یہ لگاؤ کی ادائیں کوئی ان سے سیکھ جائے شوخ چیتوں اور اُس پر آنکھ شرمائی ہوئی
 جان کی سر کی خدا کی دین کی قرآن کی جھوٹی محبوبی سب تھیں اکی بہ کھائی ہوئی
 ترک یاروے جوانی میں بہت دشوار ہے رک نہیں سکتی طبیعت جوش پرکائی ہوئی

گلشن عالم میں بس افسردہ دل میں ہی شہر
 بلغ بھر میں اک کلی ہے صرف مرجھائی ہوئی

۱۳- اپریل ۱۹۰۷ء

شہید ناز کا دم تیغ ہی کیا صرف بھرتی ہے شہادت جان جیتی ہے عروس گم کرتی ہے
 نگاہ ناز قاتل - اپنا پورا وار کرتی ہے وہ کیا جانے اسے دل پر کسی کے کیا گزرتی ہے
 مسیح و خضر کے جینے پر آتا ہے عجب مجھ کو کہ انکی بے مے و معشوق کے کیونکر گزرتی ہے
 خموشی بھی تری تصویر کی لے بت ہے گویائی زبان بے زبانی میں سب باتیں کرتی ہے
 محبت و نواز دل ہے دلِ دلدادہ الفت یہ اُسکو پیار کرتا ہے وہ اُسکو پیار کرتی ہے
 یونہیں کتنے کلیجہ غم سے روتے روتے پانی ہے تری یاد اُس پر آکر اور دل کلخون کرتی ہے
 صلاح ان ماصحونکی میں نہ مانوں گانہ مانوں گا گزرنے دیں مری جیسی گزرتی ہی گزرتی ہے

تھکے چشمِ جادو فن میں ہے معجزِ نمائی بھی
طبیعت رہتی ہے اٹھو پہر گھرائی گھرائی
کلیجہ نہ تھک آجاتا ہے ہچکی جو ہے آتی
کبھی اک بات پر قائم نہیں رہتی زباں لنگی
محبت ہدمِ دل ہے نکل سکتی نہیں دل سے
یہ دل کی زندگی جیتی ہے دلی موتی ہے

شہیرِ تشنہ کامِ عشق کی اب ہے رمی طالت

گلے سے بوند بھی پانی کی مشکل سے اُترتی ہے

۱۱ جولائی ۱۹۷۷ء

کبھی حاصل نہ دید دل پر وہ نشیں ہوتی
بدلتے قولِ تھک ویر کیا لے ناز میں ہوتی
پرستاری تو تن کی قوتِ ایمان و دیں ہوتی
نذیروں کی طرح اہلِ نظر سب ٹپڑتے ہیں
جغائے آسمان سے تنگ تھے جا کر وہیں بستے
سمجھتے ہیں جسے قاتل اُسی پر ہائے مرتے ہیں
یہ اچھا تھا کہ تم پر آنکھ پڑتے ہی اچل اُٹی
مرزہ جب تھا کہ ہم تم دونوں ملکر ایک ہو جاتے
کبھی تو دل ہی سے آپ رکھ لیتے مڑول کو

نگاہ شوق اگر دل میں نہ اتنی دوہیں ہوتی
نکل کر دل سے منہ تک آتے آتے ہاں نہیں ہوتی
یہی زنا رکھے دھاگوں کی جبلِ المیتیں ہوتی
کریں کیا نعمت دیدار سے سیری نہیں ہوتی
نہ تو نایہ فلک جس جازیں لیبی کہیں ہوتی
محبت میں سچ ہے جان تک تیری نہیں ہوتی
وہی پہلی نظر میری نگاہ واپس ہوتی
نہ تفریقِ سن و تو اور نہ بحثِ آنِ ایں ہوتی
کبھی تو شاد ماں یہ خاطر اندوگاہیں ہوتی

اگر آواز دیتے آپ میری عمر رفتہ کو وہیں سے دوڑتی لبیک کتنی لوگ ہیں ہوتی
جو آنسو پوچھنے کو آنکا دامن ہاتھ آجاتا تو کیوں یہ چشم تر منت پذیرا تیں ہوتی
ازل میں جس جگہ تقدیر تھی تھی رفیونکی ہماری کاش یہ کجنت قسمت بھی دہیں ہوتی

قوانی میں مجھے پابندی ترکیب لازم تھی
شہیر آزاد کیونکر طبع مضمون آفرین ہوتی
بقیہ یک قافیہ

جو طوقاں جو شہ چشم عاشق اندوگیں ہوتی بر سخی دریائے دامن سے بھی موج آستین ہوتی
اگر گل کاریاں کرتیں نہ چھینڈیں غن بسمل کی تو لے قاتل نہ تیری یہ بہار آستین ہوتی
پھٹے حالوں اگر پہنتے نہ اپنی تنگ دستی سے تو کیوں ہر وقت فکر جاں جیب آستین ہوتی
شہید آخر جو ہونا ہی تھا اک دن ست قاتل سے درازی حیات اپنی بقدر آستین ہوتی
جگر پر ہاتھ پڑ جاتا اگر بھر پور قاتل کا شگاف زخم میں ترکیب چاک آستین ہوتی
عدوے جیب دامن پنجہ و مشت نہ بن جاتا اگر دست جنوں سے دوستی آستین ہوتی
اُڑتا دھجیاں ست جنوں جب جیب دامن کا تو پھر کس طرح امید بقلے آستین ہوتی
جو میں دست بہ پر حیت پیر مغاں کرتا مری تر دامن خود دست بیج آستین ہوتی

شہیر افسوس ہے پابندی عطف و انصاف سے
نہیں تو اور کچھ بندش میں شان آستین ہوتی

۱۴۔ ستمبر ۱۹۷۹ء

رنگِ رخِ جتنا اُڑایا عشق کی تاثیر نے
 گریہ بے صبر نہ پر ہنس ہنس کہا تقدیر نے
 لے لیا کچھ آپ نے کچھ آپ کی تصویر نے
 آبرو سخی کھوئی دعویٰ تدبیر نے
 بات کھوئی بے زبانی کی لب تقدیر نے
 پھیر میں رستہ کے ڈالا گردش تقدیر نے
 جانیں کیا سوکھی سنائی خنجر و شمشیر نے
 محبوب صورت کر دیا نظارہ تصویر نے
 تنگ کر رکھا ہے قید خانہ زنجیر نے
 میری بیماری میں مجھ سے بڑھکے نفرت تھی اسے
 مطلب دل اس بت خود کام سے کہنا تھا
 ہتکڑی نے دست بوسی کا شرف حاصل کیا
 سب جگا دکا م بے تدبیری تدبیر نے
 پاؤں چومے دشتیوں کے حلقہ زنجیر نے

واہ پر تھا وار جب تک جان مجھ میں تھی شمشیر
 کر چکی بیدم تو آخر دم لیا شمشیر نے

۱۵۔ ستمبر ۱۹۷۹ء

کام کچھ کلام فکر و کوشش و تدبیر سے
 لے تو آئے ہیں انھیں ہم راہِ تدبیر سے
 سعی لا حاصل نہ منسوبایا مجھے تقدیر سے
 پہلے فقر و کی مگر چل جانے جب تقدیر سے
 اسکے مارے نیند بھر سونے نہیں پائے حسین
 ہے گلہ مجھ کو بھی اپنے نالہ شہگیر سے

لے منہ میں نے خواب وصل دیکھا ہے مگر
 حسن اُدھر صبر آزما ہے عشق اُدھر ہے نامکسب
 دیکھنے میں سب کو دیکھے پھر نہ کچھ اُکے نظر
 دیکھے ٹکڑے دیکھے انکی کسنی کی ضد یہ ہے
 چلتے ہیں بستگان زلف لوہے کے چنے
 جمع ہو جانا خیالات پریشاں کلا ہے خواب
 دماغ دل دماغ جگر ہی میری قسمت میں تھے بس
 ہاں بدل جاتا ہے اس شکل مثالی سے خیال
 خط کی پیشانی مری لوح حبیب سے کم نہیں
 فکر ہے اندیشہ برعکسی تعبیر سے
 ناز کو جلدی سے نفرت شوق کو تاخیر سے
 دیکھنا ہے چشم حیرت سیکھنے تصور سے
 ہم نہ مانینگے اسے جوڑو کسی تدبیر سے
 پالتے ہیں پیٹ اپنا دانہ زنجیر سے
 نام شوریدہ سہول کو کچھ نہیں تعبیر سے
 چن لے دو پھول میں نے گلشن تقدیر سے
 جی بھل جاتا ہے کچھ نظارہ تصویر سے
 آپ کی تحریر ملتی ہے خط تقدیر سے

ہے اگر شرم سیہ کاری تو نادم ہو کے رو
 منہ کی کالک دھو شہیر اس آخری تدبیر سے

۱۲۔ دسمبر ۱۹۷۹ء

جو ہنستے بولتے تو شرح آرزو کرتے
 ہلاک حسرت مرگ نولے اجل ہوتے
 ناز پڑھنی تھی محراب تیغ قاتل میں
 جو دیکھ لیتے دل با وفا کے داغوں کو
 بتوں سے کس طرح اندھنگو کرتے
 جو اور جیتے تو مرنے کی آرزو کرتے
 نہ اپنے خون سے کس طرح ہم دھوکے کرتے
 تو گل چین میں نہ دعویٰ رنگ بو کرتے
 کہ ہم خلافت تمنا کے آرزو کرتے
 مخالفیت میں بھی گردوں کی کام بن جاتا

نہ سنتے ایک بھی یہ دُستی کی خوبی تھی ہزار تم سے بُرائی مری۔ عدد کرتے
 حضور جھوٹ کی تاویل تاکجا۔ آخر کہنا تک آپ کی باتوں میں ہم رفو کرتے
 نہ پوچھتے کبھی آنچل سے غیر کے آنسو
 شہیر وہ جو مرا پاس آبرو کرتے

۲۵۔ جنوری سنہ

دل سی عزیز چیز سے الفت نہیں رہی تیرے سوا کسی سے محبت نہیں رہی
 نالوں سے گھر میں گھر کی حالت نہیں رہی دیواریں اب ہیں حرف کھڑی چھتیں رہی
 لے باغبان ہائے یہ کسی ہوا چسلی گلشن میں رنگ۔ پھولوں میں کہتیں رہی
 کوچہ میں اُنکے ٹھو کریں کھا کھا کے مٹ گئی دنیا دیں کہیں کی قیامت نہیں رہی
 سفاکیوں سے آپ کی یہ کام بڑھ گیا دم بینے تک کی موت کو فرصت نہیں رہی
 صورت ہماری ہو گئی صورت سوال خود کچھ اپنے منہ سے کہنے کی جتا نہیں رہی
 پینے سے بدتر اور دل کی تہدید دیکھ کر مجھ کو کوئی شکایت قسمت نہیں رہی
 کب آئے نزع میں وہ عیادت کیواسطے جب سانس لینے کی مجھے ملت نہیں رہی
 جس سے ہوا نہو ترے عاشق کا سامنا دنیا میں ایسی کوئی مصیبت نہیں رہی

تا وقت واپس تھے سب ارمان شہیر

جب دم نہکل گیا کوئی حسرت نہیں رہی

نور کمال عشق سے ظلمت نہیں رہی آلودہ مجاز حقیقت نہیں رہی

مخصوص اُن کے آنے کی ساعت نہیں ہے
 تصویرِ یادِ شیشہِ دل میں ازل سے ہے
 رویا کریں رقیب اب اپنے نصیب کو
 میں کامیاب ہو کے بھی ناکام ہی رہا
 کہتے ہیں مجھ سے آگے قریب لگ گلو
 جب تک تھی جان روزِ مصیبت میں جان تھی
 آنکھیں فروغِ جلوہ معنی سے کھل گئیں
 دل پھنس گیا قریبِ محبت میں کیا کریں
 پابندِ روز و وقت قیامت نہیں ہے
 عکاسی خیال کی حاجت نہیں ہے
 مجھ کو تو کچھ شکایت قسمت نہیں ہے
 حسرت یہ ہے کہ اب کوئی حسرت نہیں ہے
 دوری کی قم کو اب تو شکایت نہیں ہے
 مرنے کے بعد کوئی مصیبت نہیں ہے
 اب وہ نظرِ فریبی صورت نہیں ہے
 تمیزِ دوستی و عداوت نہیں رہی

جوش جنوں میں کب مری دیوانگی شہر

خضرِ طریقِ وادیِ وحشت نہیں رہی

۲۶۔ فروری سنہ

جنوںِ عشق میں عقل و خرد میں نے جہاں رکھ دی
 کلی کیا بے کھلی لا کر میانِ آسیاں رکھ دی
 طلوعِ مہرِ عالمِ کتاب کا سب کو ہوا دھوکا
 سلگ کر ہائے جو اند رہی اندر تاجِ بکرِ پوچی
 وہیں کہ لے لے ننگِ فنام بھی لے جان جاں رکھ دی
 مرا گھر بھونکنے کو تو نے آگ لے باغباں رکھ دی
 کھلی تصویرِ تیری شبِ جو زیرِ آسماں رکھ دی
 کیسی آگ لے دل میں لے نوزِ نال رکھ دی
 ہماری لاشِ لوگوں نے یہاں لاکر کہاں رکھ دی
 جگہ اس شمع کے لائق بہاں پائی وہاں رکھ دی
 دل سوزاں کو اپنے چھوڑ آئے بزمِ جاناں میں

پڑھانی مکتب الفت میں اسی عشق نے پٹی
اٹھا کر طاق نسیاں پر گلستان بوستان کھدی
نظر آتا نہیں رستہ عدم کے جانے والوں کو
کمرے کھول کر تلوار قاتل نے کہاں کھدی
ادائے ناز سے لیکر مراد دل پنسکے فرمایا
امانت پھر نہیں مٹی اُسے جس نے یہاں کھدی
غصاں میں اس قدر گرمی ہو چکی اتنی سرد آئیں
غضب کی تو نے لاگ لے نازِ شعلہ نشان کھدی

نظر جن شہیر اُس بت کا نقش پائے ناز آیا
نیا دِ شوق میں میں نے جن میں اپنی دہاں کھدی

کثرت ہی سے وحدت کا جلو نظر آتا ہے
وہ لاکھ حسینوں میں کیتا نظر آتا ہے
اوجھن ترا جلوہ ہر جا نظر آتا ہے
پر دہ میں بھی تو پردہ آرا نظر آتا ہے
جو پردہ باطن میں ہے محو خود آرائی
عکس آئینہ دل میں اس کا نظر آتا ہے
جب آپ کی کھچتی ہے تصویر تصور میں
صورت گراصلی کا نقش نظر آتا ہے
کیا شہر خموشاں میں ارزاں تہا گراں خواہی
ہر وقت جسے دیکھو سوتا نظر آتا ہے
خط کہتا ہے تو جس کو لے نامہ بڑا ناں
یہ تو مری قہمت کا لکھا نظر آتا ہے
ہے صورت و معنی میں تمیز جسے حاصل
کیا ٹوٹ کے گرتی ہے لہجائی ہوئی توبہ
ہوتی ہے جراحت کی بھی نشوونما دلیں
یہ جذب تصور ہے یا وہم کی خالاقی
اک حسن کے منظر میں لاکھوں ہی مناظر ہیں
نیرنگ شہود اس کو دھوکا نظر آتا ہے
جو زخم تھا گہرا اب ابھرا نظر آتا ہے
جس وقت بھرا جام صہبا نظر آتا ہے
ہر دم کوئی پہلو میں بیٹھا نظر آتا ہے
ناظر کو خدا جانے کیا کیا نظر آتا ہے

جو بحر حقیقت میں ہیں غوطہ زن عرفاں
قطرہ میں شہیر اٹکو دریا نظر آتا ہے

حسن قدرت کا موقع وہ شبیہ ناز ہے فطرت خاموش کی ہمارا وہم آواز ہے
بزم میں تاشمع پروانوں کی جو پرواز ہے یہ بھی اے سوز محبت کوئی تیرا ساز ہے
سب سے پہلے جو پڑی تھی کان میں رنڈا ہے آج سنتا ہوں تولے بت وہ تری آواز ہے
دیر کی بھی سیر کر لے آکے لے شیخ حرم یہ بھی تو آخر کسی بت کا حرم ناز ہے
حوصلے ہیں خاکساران محبت کے بلند جانب خورشید تاباں فزوں کی پرواز ہے
میرے ہوتے غیر کے دل کا نشانہ اڑ گیا تیرا گلن ہے مگر قائل غلط انداز ہے
صبر سمجھاتا ہے چپ کنی داد دیگا دادرس وجہ یہ ہے جو مری فریاد بے آواز ہے
دل کو ہے صورت گراصلی کی صورت سے لگا مجھ کو ہے اس سے محبت جو محبت ساز ہے

ضعف میں کیا منہ سے نکلیں ناہ ہائے دل شہیر

پاسبانِ حلق تو بیٹھی ہوئی آواز ہے

گرمی حسن بڑھائی یہ خود آرائی نے تاب کیا دیکھ سکیں منہ جو ترا آئینے
سونے دم بھرنے دیا حسرت یکجائی نے نیند آنکھوں سے اڑا دی شب تنہائی نے
کردیا قد کو قیامت سے بھی دو ہاتھ بلند لطف رعنائی دو بالا کیا انگریزائی نے
پاؤں پڑ سکتے نہیں سنگ درجاناں پر پہرے بھلا دے ہیں دل غیبیں سائی نے
جلوہ حسن ازل سے ہے دو عالم معمور شان کثرت میں دکھائی ہے یکیتائی نے

سوزِ الفت سے جگر کو بھی نہ رکھا محروم پایا ہمدرد جو اپنا دل شیدائی بنے
 ہاتھ سے چھوٹ گیا دامنِ جاناں جو شہمیر
 اپنا منہ پیٹ لیا دستِ تمنائی نے

کوشش بے سود میں سب سعی بے تاثیر کی سامنے تقدیر کے چلتی نہیں تدبیر کی
 تم نے کیا پھیری نظرِ مجھ سے زمانہ بھر گیا آنکھوں کی گردش میں گردشِ فتنی تقدیر کی
 ہم دکھاتے قیدِ وحشت میں اگر زور جنوں ایک ہی جھکے میں کزیاں ٹوٹیں زنجیر کی
 یکہنج ہی لائی کسندِ جذبِ الفت آپ کو سلسلہ جنباہی دیکھی آہ پُر تاشیر کی
 مار کر تیر نگاہ نازِ عسافل سو گیا صیدِ افغن نے خبر بھی کچھ نہ لی نچیر کی
 سینہ و پہلو سے بھی قلبِ جگر کو لے لڑا آج دیکھی قوتِ پرواز انکے تیر کی

بولنے میں منہ سے گویا پھول چھڑتے ہیں شہر
 واہ وا کیا بات ہمارے لبِ تقریر کی

۱۶ جولائی ۱۹۹۹ء

رات یوں وعدے کی مانی جائیگی پاؤں میں مندی رنگالی جائیگی
 نیلے ڈورے ہی ابھی ڈالے ہو کان میں مشکل سے بالی جائیگی
 ہو گیا موقوفِ رنگِ عاشقی اب نہ چہرے کی بجالی جائیگی
 دیکھو تم آئینہ خانہ میں نہ جاؤ ورنہ شانِ بے مثالی جائیگی
 ہر گھڑی جو ہوتی جاتی ہونڈِ حال وہ طبیعت کیا سببِ نحالی جائیگی

کب چھپائے سے چھپکا داغ عشق چاند پر کیا خاک ڈالی جائیگی
 آتے آتے نوجوانی آئے گی جاتے جاتے خورد سالی جائیگی
 اب کے کیا توبہ نہ ٹوٹے گی شہیر
 یہ بھری برسات خالی جائیگی

اک می جان حزیں نام کو جوتن میں ہے اک تن فرسودہ جو بوسیدہ پیراہن میں ہے
 کیوں نکیرن آ رہے ہیں ٹھکڑے مرد میں نظر ان فرشتوں کی بھی تبت کیا مئے نفن میں ہے
 لاغری سے میں بیوئی پیکر فرضی کا ہوں صرف اک جسم خیالی میرے پیراہن میں ہے
 اس کے جلوے کے ہیں طالب پاکبازان نگاہ لے کلیم آئینہ جس کا واو دلی میں ہے
 حسن یوسف سے نہیں کچھ کم کنیا کا بھی وہاں اُس کا جلوہ صبر میں ہے اسکا بندارن میں ہے
 موت نے اللہ ڈالا ہے یہ کیسا تفرقہ روح جنت میں تن بجان مرادفن میں ہے

جوش سبزہ سے مری تربت ہے مینالی شہیر
 صاف وضع و ہیئت خم گنبد نفن میں ہے

مسترقات

رنگ صد ماقم کدہ ہر ایک میخانہ ہوا آج کس منجوار کا لبریز پیمانہ ہوا
 سنتے سنتے داستان غم انھیں ننید آگئی میری بیتیابی کا قصہ ان کو فسانہ ہوا
 وحشت الفت جوانی میں زیادہ بڑھ گئی ہوش کیا میں نے سنبھالا اور دیوانہ ہوا

کام جادو سے بت سحر نظر لیتے ہیں آنکھوں آنکھوں ہی میں گھمزل میں کر لیتے ہیں
 ہوگی اب اچھی طرح خانہ خرابی میری کوچہ غیر میں سنتا ہوں وہ گھر لیتے ہیں
 نقدِ جاں دینے کو تیار ہیں ہم قیمت میں کوئی بیچے تو محبت کی نظر لیتے ہیں

ہچکیاں نزع میں لیتے ہیں جو مرنے والے وہ سمجھتے ہیں ہمارا یہ گلا کرتے ہیں
 دیر بیدار میں ہوتی ہے تو آزار طلب اٹنے خود جو رنہ کرے کا گلا کرتے ہیں
 رہتا ہے پیشِ نظر عالمِ تصویرِ خیال ہم تصور میں انھیں دیکھ لیا کرتے ہیں
 لیتے ہیں دستِ عقیدت سے تونک جو قدم اپنے ہاتھوں کو بھی ہم چوم لیا کرتے ہیں

ٹھنڈک ابھی پڑ جائے کلیجہ میں ہمارے سرد آہ جو آئے دل دشمن سے نکل کر
 دل میرا نہ ہوتا تو کسی شوخ کا جلوہ پاتا نہ جگہِ دادیِ ایمن سے نکل کر

بزمِ جاناں میں یونچ آمد و رفت ہنستے جاتے ہیں روتے آتے ہیں
 دمہ دم دیکھتے ہیں جانبِ دل تیر پر تیر وہ لگاتے ہیں
 ہم تو کہتے ہیں حالِ دلِ درو آپ سُن سن کے مسکلاتے ہیں

عاشق گدے سو ہوں میرا دم بکھلنے دیئے اک بلا طمٹی ہے سر سے اسکو طمنے دیئے

دیکھئے بحر جہاں میں عالم طوفان نوح
آپ کے رنگ تغافل میں نہ دم بھر فرق
دیدہ پر آب سے آنسو نکلنے دیکھئے
ہر گھڑی غم سے مری صورت بدلنے دیکھئے

ہمیشہ حسن جوانی کی آب و تاب ہے
خدا کرے ترا لاکھوں برس شباب ہے
بدریں بھی جگر و دل کے داغ کا آئے
تہ زمین بھی یہ متناہ آفتاب رہے
شہر ہوش میں اب آؤ وقت پیری ہے
ارے بہت دنوں مست مئے شباب ہے

دعویٰ حسن میں کیا تم نے اٹھا رکھا ہے
انتہا ہے کہ خدا خود کو بنا رکھا ہے
جز و دیں لے بت کافر ہے محبت تیری
دل میں ایمان کے مانند چھپا رکھا ہے
دو نہ دو صاف مگر اتنا بتا دو مجھ کو
کھو دیا تم نے کہیں یا مراد رکھا ہے

والد نہیں اور غرض کوئی دوا سے
لے بت تجھے ہم مانگتے ہیں اپنے خدا سے
بڑھتا ہے مرض عشق کا نہ بشر شفا سے
بڑھتا ہے بخار اور مجھے نام شفا سے

گیسوئے بیچاں ہوا سے لٹکے برہم ہو گئے
میرے اسباب پریشانی فراہم ہو گئے
روز شب روتے ہی گزرا ہم کو یہ پورا برس
سال کے بارہ مہینے سب محرم ہو گئے
آنسوؤں سے سوزش داغ جگر جاتی رہی
اشک حسرت داخل جزائے مرہم ہو گئے

ہمارے خون ناحق کا بھی وہ خون بہا دیئے
 کسی پر کس طرح مرتے ہیں کیونکر جان تیرے میں
 بتائیے نہ اپنے منہ سے ہم کچھ وجہ حیرانی
 خدا جیسا انھیں رکھے بلا سے مار ڈالیئے
 کرئیے بند منہ محشر میں کن کن دغا ہوں گے
 دکھا نیکو لحد پر آ کے چار آنسو بہا دیئے
 رہے زندہ تو اسکو بھی تجھیں مگر دکھا دیئے
 مگر چپکے سے آئینہ انھیں لا کر دکھا دیئے
 سلامت وہ رہیں۔ مجھکو مٹا دیئے مٹا دیئے
 گلا میری طرح کس کس کا آخر وہ دبا دیئے

حقہ نور نظر حسن کی تنویر میں ہے
 الفت زلف حسیناں دل لگیر میں ہے
 نقش ثانی ہے اسی وجہ سے لاثانی ہے
 کس طرح دل سے گزر جاتی ہے قاتل کی نظر
 دوست دشمن کی بھی پہچان نہیں جہنم قتل
 جلوہ جو ہر بینش تری تصویر میں ہے
 دل دلیگیاں راز زلف گرہ گیر میں ہے
 تجھ میں وہ بات نہیں جی تری تصویر میں ہے
 نہ تو سو فار نہ پریشان ہی اس تیر میں ہے
 آکھ پھر خاک ترے جو ہر شمشیر میں ہے

دل سے دشمن کو نہ اپنے دوست کھوں کس طرح
 دامن قاتل زبان تیغ ہیں دونوں گواہ
 رد زبن بن کر بگڑنے ہی میں ہے کچھ آں اگر
 جسکو تم چاہو مجھے اُس سے محبت کیوں نہو
 خون ناحق میں مے انکی شہادت کیوں نہو
 تو تمھاری زلف پہچان میری نکت کیوں نہو

یکس ظالم کا نقش پامری خاک لحد پر ہے
 کہ ہر اک ذرہ میں تابندگی مہر محشر ہے

دل مایوس جو ظاہر میں ہے مجموعہ حسرت
اسی کے دڑوں میں راز پریشانی بھی مضمر ہے
میں جوش بخود سے اپنے آپ میں نہیں رہتا
کتھارا میرے پاس آنا نہ آنے کے برابر ہے

چھڑاؤں کس طرح داغِ وفا کو قلب مضطرب سے
جدا ہونا عرض کا جب کہ نامکمل ہے یہ میر سے
ہنر سے قدر ارباب ہنر ہوتی ہے نیامیں
اصالت تیغ کی ہوتی ہے ظاہر کے ہنر سے
جراہونا توانی کا وہ آئے ہیں عیادت کو
بے تعلیم لیکن اُٹھ نہیں سکتا میں بستر سے
محبت آپ کی یہ کہہ کے دل میں جم کے بیٹھی ہے
نکالے لاکھ کوئی میں اب کلنگی اس گھر سے
حسں رنگ بوسے گل ہو یا جوشِ جوانی ہو
زیادہ کیا بہار ان دونوں کی ہستی خوشیہ سے

آج آبِ دم شمشیر کی طغیانی ہے
کوئے قاتل میں شہیدِ ملک ہو پانی ہے
تم نہ سن سکتے ہو آئنا میں کس سکتا ہوں
ماجرائے شبِ غم قصہ طولانی ہے

شبِ داغِ آتش سے بھی تیرگی میں کمی نہیں ہے
کیسا اوجھیر میرے گھر ہے کہ پاندیہ پاندی نہیں ہے
جیہ کو لکھا ہے پنج میں تیرے بیونکا بار گونہے تیرے
یہ مجھے شیدِ وفا کا دل ہے کسی چمن کی کلی نہیں ہے

ادھر اُدھر جتنے تھے تنگے غریب آئے ہیں اب
کربِ شبِ غم ابھی ہے باقی کہ شمع پوری چلی نہیں ہے

ہزل و وفاتِ قصیح الملک نواب مرزا داغ دہلوی خلیفہ جلال

لب پر کیوں نالہ و نغاں ہے کیوں اتک غم آنکھوں سے رواں ہے
 دامن سے رنگِ غم عیاں ہے خونابِ دل آنکھوں سے رزاں ہے
 بخت میں داغِ خاک پر ہم اب فرق زمین و آسماں ہے
 ہے مستی ہستی جہاں سب دراصل نہیں جو یہاں ہے
 ہے بارغِ جہاں میں بیل ہند ہاں اب فردوسِ آشیاں ہے
 اسے ملکِ عدم کے جانے ولے اللہ ترا نکا ہباں ہے
 ہر سوت بچھا تھا دل میچ درد بن کرو ہی داغِ اب عیاں ہے
 ویرانِ نشاں مکان ہٹو کا وہ جا ہے جہاں جانِ جاں ہے
 کہتے تھے قصیحِ ملک جس کو وہ ببلِ ہند اب کہاں ہے
 بے زخم چور کا میرے دل میں اس کا اب کون پاسباں ہے
 بہیم جاری ہیں آنکھوں سے اشک دن رات یہ قافلہ رواں ہے
 اسے ببلِ ہند تیرے غم میں اب طائرِ روح نیمجاں ہے

کب موت سے ہے شہیر غافل
 ہر دم اُسے یاد رفتگاں ہے

رباعیات

اک روز بھی بھلے برے جائینگے اعمال ہی صہرت ساتھ لے جائینگے
اطفال و جوان و پیر و بیمار و صبح آئی جب آئے گی چلے جائینگے

دیگر

مرنے کے نہ دل سے حوصلے جائینگے ہم قبر میں ان کو ساتھ لے جائینگے
زنجیر پا جو ہو گا ضعیف پیری تو چار کے کا ندھے ہی چلے جائینگے

دیگر

ناحق مرتے ہیں عمر فانی کے لئے دیتے ہیں جان زندگانی کے لئے
نادان ہیں وہ شہسیر بچوں کی طرح پیری میں جو روتے ہیں جوانی کیلئے

دیگر

ہے عمر شباب کا مرانی کے لئے یہ عمر ہے لطف زندگانی کے لئے
پیری کو کہاں نصیب دنیا کے مزے یہ سب سامان ہیں جوانی کے لئے

دیگر

بوڑھا، کمزور، مسیح کارہ ہوں میں جز خاکِ گور کس کو پیار ہوں میں
ہے وقت مدد کا اے عصائے پیری آتھام لے ہاتھ بے سہارا ہوں میں

اس غم کئے سے شاد بدل جاؤنگا تربت میں بزرگ کھل جاؤنگا
پہر شے کے لئے رجوع ہے جانب اصل ہوں خاک ہی خاک ہی میں جاؤنگا



دُکھ درد کالے ضعیفی مارا ہوں میں عیب ظاہر سا آشکارا ہوں میں
ہے صبح شب شباب جلوہ میرا پیری میں چمکتا ہوا تارا ہوں میں



بیزی میں شباب والی طلعت نہری کافور صباحت ہوئی رنگت نہری
پڑتی مسینوں کی بھی جس پر اکھیں افسوس شہیرا اب وہ صورت نہری



سیا و ابل کی ہے یہ دنیا کین گاہ کرتا ہے شکار روز و شبِ شام و پگاہ
پیری ہے گھات میں جوانی کے شہیرا یہ باز سفید ہے پس زارِ سیاہ



ہے طول امل کا سلسلہ پیا پیچ آرام کی نیند چل کے سٹو گھڑا بیچ
نکر عقبی شہیرا کرے چھوڑا ہو کس دنیا بیچ است و کار دنیا ہمہ بیچ



یہ لگا دو دن کی جو طفلی سے شباب باقی رہی ضبط کی ضعیفی کو نہ تاب
لستانی جوانی کی نہ کچھ پیش گئی وہ وہ دندان شکن تھے پیری کے جواب

بھونوں لے شیخ کیا جوانی کا مزہ ہے یاد شراب ارغوانی کا مزہ
جب سے یادش بخیر وہ شے چھوٹی کھانے کا مزہ رہا نہ پانی کا مزہ

گل زیریں سے سر بکت آتے ہیں گلشن میں غریب آکے لٹ جلتے ہیں
آتی نہیں راسِ باغِ عالم کی ہوا غنچے سے پھول ہو کے مرجھاتے ہیں

عامل لکھا کریں شفا کا تعویذ بیمار کو کیا کرے گا اچھا تعویذ
روکے رکھتی نہیں جب آتی ہے اجل بیکار ہے جھاڑ پھونک گنڈا تعویذ

ایامِ شباب کی عجب باتیں تھیں راحت کے دن تھے عیش کی باتیں تھیں
پرے پرے میں ہوتی تھی پردہ دری چھپ چھپ کے حسینوں سے ملاقاتیں تھیں

ہے فاتحہ خوانی سے غرض نہ نام فقط پھیلا ہے قل اعوذیوں کا دام فقط
مردہ دہخ میں جائے یا جنت میں حلوے مانڈے سے انکو ہے کام فقط

کچھ نیک عمل نہ بہراںجام کیا دنیا کے مزے اڑائے آرام کیا
کھایا پیا سوئے جاگے اٹھے بیٹھے کام اتنے کئے مگر نہ کچھ کام کیا

چشم باطن میں جو ہے وہ نور ہے تو آنکھوں میں ہے نظرتِ مستور ہے تو
گردن کی رگ سے بھی زیادہ ہے قریب اتنی قربت پر اور پھر دور ہے تو

اوروں کی طرح جو شکل دنیا دیکھی دوشیزہ و نوجوان و رعنا دیکھی
سو جھانے کہ زال ہے یہ مکارہ دہر اندھے ہوئے ہم بھی سب کی دیکھا دیکھی

خاموشی میں کوئی میرا دمساز نہیں وہ سازہوں میں کہ جس میں آواز نہیں
آواز بھی ہے تو کب ہے اندازِ کلام گویا ہوں مگر سخن کا انداز نہیں

مستی و سرور و شادمانی کب تک بے فکری و عیش و کامرانی کب تک
جاہ و اقبال و مال و اعزاز و خطاب حاصل بھی ہوئے تو زندگانی کب تک

مجموعہ دہر ہے کبھرنے کے لئے سب آئے ہیں جان سے گزرنے کے لئے
بستی ہی دلیل نیستی کی ہے شہیر جینا ہے چند روز مرنے کے لئے

فاسق ہو کوئی پارسا ہو کوئی کافر ہو کوئی - باخدا ہو کوئی
ہم بندہ عشق ہیں ہمیں کیا مطلب اچھا ہو کوئی یا بُرا ہو کوئی

ہر ایک کے دل میں اچھی صورت کی ہے چا
خالق کے یہاں بھی خوش جانو کی ہے راہ
بت کرتے ہیں معمولے خدائی اس سے
کیا چیز یہ سُن بھی ہے اللہ اللہ

ہر شے میں جلو گرہے قدرت تیری
ہر چیز سے ہے نمود صنعت تیری
ہے کاہ سے کوہ تک ظہورِ حکمت
کثرت سے عیاں ہے صاف وحدت تیری

کھویا۔ رُڑی۔ دہی۔ ملائی۔ بیچو
خلوہ پوری گزک مٹھائی بیچو
ملتی نہیں نوکری تولے اہل قلم
پیسے ڈبیہ دیا سلائی بیچو

جو ہم سے بے تھے وہ دباتے ہیں ہمیں
جو ہم سے بنے تھے وہ بناتے ہیں ہمیں
جو دستِ نگر رہے ہمارے برسوں
اُسے آنکھیں وہ اب نہ کھاتے ہیں ہمیں

مدت پر آئی ہے ملاقات کی رات
جاؤ گے کہاں ٹھہر رہو رات کی رات
دو عیش کی داد ہو رہی ہے بارش
رکھتی ہے عجب بہار بہار کی رات

نافموں کو شعر کا سنانا ہے عبث
انہصوں کو چرغ کا دکھانا ہے عبث
آگاہ نہیں رموز فن سے جو شہسیر
اُن کو ان نکتوں کا بتانا ہے عبث

وہ حسن کہاں کہاں وہ صورت میری سونلا گئی ہے گلابی رنگت میری
لیکن دل کی اُمنگ اب تک ہے دہی پیری میں جوان ہے طبیعت میری

بڑھتی جاتی ہے اب نخافت میری گھٹتی جاتی ہے روز قوت میری
ہے لاکھ مرض یہ ایک ضعف پیری اچھی رہے کیا شہیرِ صحت میری

مَحْمُودِ غَزَلِ سَائِلِ الْقَوْمِ مَوْسِدَ عَلٰی نَفْقٰی صَافِی

ہم تو سن بہت کو جب ایڑ لگا دیں گے رستہ میں پہاڑوں کو ٹھوکر سے اڑا دیں گے
دم میں جو ہے دم پہلِ عالم میں مجا دیں گے زندہ ہیں اگر زندہ دنیا کو دکھا دیں گے
مشرق کا سراٹھکر مغرب سے ملا دیں گے

لا علم نہیں اس سے آگاہ زمانہ ہے زیرِ نظر برقِ خرمین ہے جو دانہ ہے
مضمونِ حقیقت میں یہ فلسفیانہ ہے دھارے میں سمندر کے بجلی کا خزانہ ہے
بتے ہوئے پانی میں ہم آگ لگا دیں گے

گو سوزِ غمِ قومی سے آنکھیں ہیں فوارہ پھر بھی تہِ خاکستر ہیں اٹکر صد پارہ
ہر چند ہیں افسردہ لیکن نہیں ناکارہ ہم سینہ ہستی میں انگارہ ہیں انگارہ

شعلے بجھ کر اُٹھینگے جھوٹے جو ہوا دیں گے

وہ اہل کلیسا ہوں دیر کے ہوں ساکن فکروں میں مٹانے کی اسلام کے پتہ دن
بیرا سکو سمجھ رکھیں بالکل ہے یہ ناممکن ہم کون ہیں ہم کیا ہیں ہم کچھ بھی نہیں تیکن
وقت آنے دو وقت آنے دو پھر تھکو بتا دیں گے

گہ بانتر مغرب گہ مشرق خاور میں تھے بحر میں قطرہ زن پھیلے ہوئے تھے بریں
اُٹھے تھے پہاڑوں سے پہنچے تھے سمندر میں فاران پہ گرجے تھے برستے تھے مہاں بھر میں
گھر کر جو کہیں کر کے پھر ہوش اُڑا دیں گے

گو قلمزم ہستی میں ساحل بھی ہے یا سمی ہے نفع کی امیدوں میں خطرہ بھی
انداز و رآمد میں ہے طرز برآمد بھی دنیا کے سمندر میں ہم بزر بھی ہیں مد بھی
دیکھو جو ہمیں ٹوکا طوفان اُٹھائیں گے

کیا دیدہ تبارش میں ابر سے کمتر ہے جو اشک کا قطرہ ہے وہ دانہ گوم ہے
ہر وقت نظر اپنی افضال خدا پر ہے مرجھائی ہوئی کھیتی اب ہم ہیں تو کیا ڈرتے
بھینٹے ہمیں رحمت کے پھر نشوونما دیں گے

اس گلشن ہستی سے اوکھڑے نہ ٹوٹیں گے یہ ہم سے نہ چھوٹیں گے ہم اس سے چھوٹیں گے
اب نامیہ کی دولت آزادی کوٹیں گے جڑ ہم نے پکڑ لی ہے کلے نے پھوٹیں گے
گر خاک میں بھی ہم کو اکبار ملا دیں گے

بے چارے مسلمانوں کا زور گھٹا دکھیں اک لک کا ترے بیخ بے ساد گلا دیکھیں

قاجاری و عثمانی شاہیوں کو گدا لکھیں ایران ہو یا ترکی دونوں کو مٹا دیں

کیا صفحہ ہستی سے اسلام مٹا دیں گے

سب سے کو لہکتی ہے پھونکوں کو مہکتی ہے نخلوں کو سرفرازی سنبل کو لٹکتی دی ہے

ذروں کو بھی قسمت نے صانع نے چمکتی ہے اسلام کی فطرت میں قدرت نے چمکتی ہے

آنا ہی یہ ابھر گیا جتنا کہ دبا دیں گے

دب جائیگی سب بینی تحقیر کی آوازیں اٹھیں گی نہ یہ کفر و تکفیر کی آوازیں

آنے لگیں گی تیر و شمشیر کی آوازیں گونجے گی پہاڑوں میں تکبیر کی آوازیں

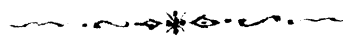
یہ صور جہاں پھونکا مردوں کو جلا دیں گے

ممکن نہیں دنیا میں کوئی ہو سیر ایسا گرمی سخن پا کر گرمائے نہ جو اصلا

اس قول کے قائل کا بالکل ہے بجا دعویٰ اے جذبہ اسلامی جس دل میں نہ ہو ہوگا

یہ نظم صفی پڑھ کر ہم اس کو سنا دیں گے

یکم مارچ ۱۹۱۳ء



تخمیسِ غزل تراۓ اقبال ۱۸ اگست ۱۹۱۳ء

ماہی سے ماہ تک ہے سکہ رواں ہمارا ڈھکا زمین سے ہے تا آسماں ہمارا
آفاق میں لقب ہے گیتی ستاں ہمارا چین و عرب ہمارا - ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

غربت کہاں کی ہر جا ہے خانہاں ہمارا ہر ملک شہر قریہ میں گھر ہے ہاں ہمارا
روم و عراق و شام و مازندراں ہمارا چین و عرب ہمارا ہندوستان ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اشمار کو خرابی کے ہو چلے ہیں پیدا ایران مٹ رہا ہے ٹرکی کا ہے صفایا
لیکن ہے اس عقیدے دل قوی ہمارا دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اسکے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

ماوا و اصل منشا محبوب کبریا کا اسلامیوں کا تہذیب مولد وہ مرفعی کا
بتائے اول ابن آزر ہے جس بنا کا دنیا کے بتکدے میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اسکے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

جاننا جیسے ہم ہیں ایسے کہاں ہوئے ہیں بچپن سے مردمی کے جو ہر عیاں ہوئے ہیں
نیزوں کے نیستاں میں شہزادان ہوئے ہیں تینوں کے سایہ میں ہم بلکہ جوان ہوئے ہیں
خنجر بلال کا ہے قومی نشان ہمارا

لے چرخ پیر لڑکے اکثر جواں ہوئے ہیں لیکن ہمارے ایسے کستر جواں ہوئے ہیں
 کھا کھا کے زخم اپنے منہ پر جواں ہوئے ہیں تینوں کے سایہ میں ہم ملکہ جواں ہوئے ہیں
 خنجر ہلال کا ہے قومی نشان ہمارا

اسلام پر عقیدہ راسخ ہے اور محکم فضلِ خدا سے مسلم ہم ہیں یہ ہے مسلم
 ہیں حق پرست حامی حق ہے ہمارا ہر دم باطل سے دہنے والے لے آسمان نہیں ہم
 سوار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

پہلے کی طرح گواہ ہر جان نہیں ہم رکھتے ہیں ملک و لشکر بھر بھی کہیں کہیں ہم
 حق کے کرم سے اب بھی ہر ملک میں ہم باطل سے دہنے والے لے آسمان نہیں ہم
 سوار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

باقی نہیں ہے کوئی اب مصنفہ نہیں گو تیرا گزر جو سوئے اسپین لے صبا ہو
 کہنا کسی نے اتنا پوچھا ہے تجھ سے رور لے گلستانِ اندلس وہ دن ہیں یاد تجھ کو
 تھا تیری ڈالیوں میں جب آئیاں ہمارا

نہ انیسویں پھینا کر کے جسدا تجھ کو صحرا سے پھر بنایا مینو سواد تجھ کو
 ہر ایک جانتا تھا بارغ مراد تجھ کو لے گلستانِ اندلس وہ دن ہیں یاد تجھ کو
 تھا تیری ڈالیوں میں جب آئیاں ہمارا

ہمت یہی تھی ایسی تھا ہر محال ممکن ہندوستان کے تھے فاتح عرب کے ساکن
 چھ سات سو برس کا یہ واقعہ ہے لیکن لے آبِ دکن گاہیں یاد تجھ کو وہ دن

اترا ترے کنائے جب کاررواں ہمارا
 کیسے تھے جادہ پیما ہیں یاد تجھکو وہ دن تھی سیر کوہ صحرائیں یاد تجھکو وہ دن
 چڑھ آئے چڑھتے دریا ہیں یاد تجھکو وہ دن لے آئے رود گنگا ہیں یاد تجھکو وہ دن
 اترا ترے کنائے جب کاررواں ہمارا

میں دور پھر بھی تیرا پاس ادب تک ہر دم موجود نقد جاں ہے دولت نہیں تو کیا غم
 واقف برب کعبہ اس ہے سارا عالم لے ارض پاک تیری حرمت پر کٹ کر ہم
 ہے خوں تیری رگوں میں اب تک واں ہمارا
 وقت جہاد دینی عزت پر کٹ کر ہے ہم مذہب کے پاس قومی عزت پر کٹ کر ہے ہم
 یوں کب حصول ملک دولت پر کٹ کر کام لے ارض پاک تیری حرمت پر کٹ کر ہے ہم
 ہے خوں تیری رگوں میں اب تک واں ہمارا

سطوت بھی شمش بہست میں ہر سویاں ہماری بیٹھی تھی ہاک رنج مسکوں میں ناں ہماری
 مشرق ہی تک کچھ تھیں جانبازیاں ہماری مغرب کی وادیوں میں گونجی اذان ہماری
 حرکت نہ تھا کسی سے سیل رداں ہمارا
 تھا چار دانگ عالم میں عرب اپنا طاری اعلان کلمۃ الحق میں تھے کبھی نہ عاری
 تکبیر کی صدا ایں سن کانپ اٹھے ناری مغرب کی وادیوں میں گونجی اذان ہماری
 حرکت نہ تھا کسی سے سیل رداں ہمارا

اللہ سے فقط ہے راز و نیاز اپنا خوشنودی خدا ہے سامان ساز اپنا

ہے فضل حق سے آقا بندہ نواز اپنا سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

عثمان قافلہ ہے میر حجاز اپنا مختار قافلہ ہے میر حجاز اپنا

سردار قافلہ ہے میر حجاز اپنا سالار قافلہ ہے میر حجاز اپنا

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

گو آپ مرہے ہیں ہم اپنے غم کے ہلے جیتے مگر ابھی ہیں ہمت نہیں ہلے

اس کو سمجھیں اہل تشلیف و شکر سارے توحید کی امانت سینے میں ہے ہمارے

آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

پاک اعتقاد و عدت سینوں میں ہے ہمارے اسلام کی عقیدت سینوں میں ہے ہمارے

ایمان و دین کی دولت سینوں میں ہے ہمارے توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

آساں نہیں مٹانا نام و نشان ہمارا

قول شہ میر کیا ہے غیبی صدا ہے گویا حق بر زبان جاری ہے جو کہا ہے گویا

یہ جوش و جذبہ دیں خود رہنا ہے گویا اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیتا پھر کارواں ہمارا

جوراء گیر غفلت کی نیند پڑ کے سویا وقت عزیز و زار راہ اپنا اس نے کھویا

اٹھو شہسیر راہ مقصود میں ہو پویا اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیتا پھر کارواں ہمارا

تخمیں غزل غالب علیہ الرحمۃ

شان خدا نمود ز شان محمد است دندان گہر بہ درخ دیان محمد است
قرآن حسن نطق لسان محمد است حق جلوہ گر زطرز بیان محمد است
آئیے کلام حق بہ زبان محمد است

کرتا ہے کون ساری خدائی کا بندوبست اس راز کی خبر ہے کسے جو پتہ حق پرست
جو کار ساز خلق ہے خالق کا پیش دست تیرے قضا پر آئینہ در تیرے کش حق مست
اما کشاد آں ز کمان محمد است

راز و نیاز عاشق و معشوق سرود قد پہناں نہیں ہے جانتے ہیں صفا خیز
قرآن ہی میں ڈھونڈتے تو مل جائیگی سند میر کس قسم بہ اُنچہ عزیز است می غور
سو گند کردگار بہ جان محمد است

احمد میں اور احمد بنے میم میں دینی وہ جانتے ہیں عقل میں تنگی ہے کچھ کمی
تکوین انھیں سے اصل ہیں کائنات کی دانی اگر بہ معنی نولاک دارسی
خود ارچہ از حق است ازان محمد است

نام خدا ہے اسکی تو کچھ اور ہی بہار گلابن کے ہوتے تذکرہ شاخ خاردار
اس ظل حق کے سامنے کیا اسکا اعتبار واعظ حدیث سایہ طوبیٰ افرو گذار
کہ اینجا سخن ز سرور وان محمد است

تفسہ کلیم و طور کا دیرینہ ہو چکا ذکر خلیل و نار ہے مدت کا باجرا
دی ہو خدا نے چشمِ حقیقت نگر تو آ بنگر دو نیمہ گشتن ماہ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز نیاں محمد است

خاتم سے پائی لاکھ سلیمان نے مدد لیکن نہیں ہے وصف اضافی پُرسند
یعوبِ عوذات میں ہو وہ بیشک ہستند در خود ز نقش مہر نبوت سخن رود
اں نیز نامور ز نشانِ محمد است

شعبہ نبی سے عہد بر کیا بھلا ہوں ہم چھوٹا منہ اور بات بڑی حق کی قسم
شاعرِ تمیز کہ کیا کیا خوب مرتے دم غالب شنائے خواجہ بہ یزدان گزاشتم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

خمسہ بر غزل حسان الہند رضواں مراد آبادی

کبھی چشمِ ظاہر نے دیکھا نہیں ہے مگر دیدہ دل سے پردا نہیں ہے
تو پہاں نہیں یا ہویدا نہیں ہے کہیں بھی نہیں اور کس جا نہیں ہے
ترا جلوہ ہے کچھ تما شا نہیں ہے
کبھی یہ کنشت و کلیسا نہیں ہے بتوں کا یہاں دخل اصلا نہیں ہے
شریف میں کم از عرش اعلیٰ نہیں ہے یہ مکہ نہیں یا مدینہ نہیں ہے

تھیں دل میں ہو جب تو پھر کیا نہیں ہے
 ہمیں خوف دوزخ کا اصلاً نہیں ہے شفیع الوریٰ مصطفیٰ کیا نہیں ہے
 نبوت کی تنقیص زیبا نہیں ہے شفاعت سے انکار اچھا نہیں ہے
 قیامت میں ورنہ ٹھکانا نہیں ہے

وہ مشکل دل آویز صورت وہ بھولی
 وہ شکر میٹھی باتوں میں گویا ہے گھولی
 گردہ راز قدرت کی اس طرح کھولی
 جو کثرت نے بوجھا تو وحدت یہ بولی
 محمد کا عالم میں ہمتا نہیں ہے

اگر یہ نہ ہو تو احمد کا ہودھوکا
 احد سے جدا بھی سمجھنا ہے سودا
 ہے مشکل دہن گو ملگو کا ہے نقشا
 معمہ نہیں میم احمد کا کھلتا
 خدا جانے یہ کیا ہے اور کیا نہیں ہے

یہی آب ہے اور گوہر یہی ہے
 غرض ہے یہی اور جوہر یہی ہے
 حدوث و قدم دونوں کا گھر یہی ہے
 محال اور ممکن کا منظر یہی ہے
 یہاں میم احمد میں کیا کیا نہیں ہے

جبین قمر عارض مسر انور
 اسی اسم کی وجہ سے ہیں منور
 خط نور میں کلک قدرت سے کیسر
 ملک کے پردوں پر فلک کے دروں پر
 کہاں نام احمد کا لکھا نہیں ہے

نہیں اور فریاد رس کوئی حاشا
 تھپڑے ہوں موج حوادث کے کھاتا

زرا اب نہیں ڈوب جانے میں وقفا مجھے تمام بحر مصیبت میں نشا
کہ تیکے کا بھی اب سہارا نہیں ہے

یہ رحمت کے رشتہ سے گویا سلی ہے شفاعت کی بیل اکیں ہر سونکی ہے
عطا پاش ہو کر خطا پوش بھی ہے شفیع جہاں کی عبا کہ نہ ہی ہے
وہ دامن ہی کیا جس میں پروا نہیں ہے

اے کم نہیں سوز عشق پیسہ محبت کی گرمی ہے تجھ سے بھی بڑھ کر
زرا بھی نہیں آج آنے کی مجھ پر نہ گرمانہ گرما بس لے مہر محشر
مراد غ دل تو نے دیکھا نہیں ہے

تماشا تو کچھ سوز الفت کا دیکھو نہ لے ہمد مومجھ کو گریہ سے روکو
ٹھہر جاؤ اشک وفا کو نہ پونچھو غم شہ میں رونے بھی دھچم تر کو
یہ بادل ابھی کھل کے برسا نہیں ہے

بڑے لطف و آرام کے ساتھ سوتا یہ حوروں کی خاطر نہ راتوں کو روتا
ہولے جہاں میں نہ جان اپنی کھوتا شنا خوان فردوس زرا ہد نہ ہوتا
مدینہ ابھی اس نے دیکھا نہیں ہے

دلائے نبی جب کہ ہو دین و ایماں فدا بختیں پر ہیں میرے دل و جاں
یہ کہتا شہیر آپ کا ٹھیک ہے ہاں مددگار رخصواں کے ہیں شاہ مراں
زمانہ عدو ہو تو پروا نہیں ہے

خمسہ بغل حسان الہند رضوان مراد آبادی

ہم تن آپ پر بھیجے جہاں ہے وہیں صدقے شمارا رضوان سما تحت الشریعہ عرش بریں صدقے
 ملاک مسخ انس جہاں فلاسح الالیں صدقے مراد ہی نہیں ہاں می جاں پہ نہیں صدقے
 دو عالم آپ پر یا رحمۃ اللعالمین صدقے

حلاوت پردہن کی شیرہ جان انگلیں صدقے عذوبت پر زبان پاک کی ماو معین صدقے
 کلام روح پرور پر خضر با صدیقین صدقے لب جان بخشش کی باتوں پر اک تم ہی نہیں صدقے
 کلیم اللہ صدقے عیسیٰ گزروں نشیں صدقے

نیاز عشق و الفت کا کیا حاصل ہنس میں نے ہم کی اسلام عقبہ عالی کی سر میں نے
 تعالیٰ اللہ پایا کیا شرف بیدر سر میں نے کئے سجدے جو سنگ آستان شاہ میں نے
 خط تقدیر پر ہو ہو گئی لوح جبین صدقے

محبت تیری شہر خدا کو بھی ہے جسکی چاہ شہادت کے لئے قرآن کہتے ہیں حق اکا
 کلام حق یہ ہے شک کی نہیں کوئی راہ تو وہ محبوب خالق ہے کہ تجھ پر یا رسول اللہ
 جہاں بھر کی تھیں جتنی خوبیاں سب ہو گئیں صدقے

شرف کیا ماتھے آیا قاصدی رب اور کا بڑھا کردہیوں میں مرتبہ ناموس اکبر کا
 ستارہ خوب چمکا واقعی اُس کے مقدر کا شب معراج میں خادم بنا تجھ سے بیمبر کا

نہ کیوں نجات رسا پر اپنی ہو روح الامیں صدقے

پئے نفع سیہ کاراں گوارا کر لی سب ایذا بے جو بار عصمیاں تھے انکو کر دیا ہلکا
نجات امت عاصی کا حق سے لے لیا وعدا گنگارو کی خاطر تم نے پھیلیں سختیاں کیا کیا
دل و جان دونوں تم پر یا شفیع المذنبین صدقے

جمال پاک کے غائب ہوئے افلاک پر جلوے فرشتے ہو گئے شیدائی حسن عالم آرا کے
قصہ حق ہونے کو غلمانِ رضواں شوق میں دوڑے شب معراج میں جب سیر کرتے آپ چاہنے کے
بچ پر نور پر جنت میں حوریں ہو گئیں صدقے

زمین اپنی تھکارت بہ دیا افلاک کا مجھکو نہ رکھا فیض جاں بخشی سے پتلا خاک کا مجھکو
بنایا تاریخ فرماں شر لولاک کا مجھکو کیا ہے امتی اپنے حبیب پاک کا مجھکو
تیری رحمت پہ میں اے خالق جاں آفریں صدقے

مُراقِ عرش پیا پر سرِ افلاک جب ہو چنے فرشتے شوق پاہوی میں بتیا بانہ سب دوڑے
رکابِ پاک سے مل کے آکھیں اپنی تھے تھے ترے نقش قدم پہ سرِ خدا گرد و نشینوں کے
تیری نعلین پر تاجِ سلاطین زمین صدقے

ترے حسنِ جہاں افروز پر تیری جہاں پر ترے اس عاجز گلزمگ پر تیری صباقت پر
ترے ہنسارِ تاباں پر تیری پاکیزہ طلعت پر ترے پر نور چہرے پر تیری نورانی صورت پر
چراغِ ماہِ قرباں شمعِ خورشید میں صدقے

شمارِ الفت انساں ہوئے اکثر بنی جاں تک نہیں محدود کارِ عشق بقیض و سلیمان تک

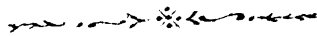
فدائی رکھ نہیں سکتے عزیز اپنے دل جان تک جلال شاہ کا آوازہ پہنچا مہر و کفایت تک

زلیخا کی طرح یوسف نہو جائیں کہیں صدقے

مثال عرش اعظم اسکو بھی ملے ہے عز و جاہ تصدیق روز و شب اس پر ہوا کرتے ہیں مہر و ماہ
یہیں سے زائر دن کو ملتی ہے جنت کی سیدھی راہ ترار و سدودہ دلکش ہے کہ جس پر یار رسول اللہ

ہمارے عرش صدقے نہ بہت غلبہ بریں صدقے

شہیرا اب یہ محسن ہے کہ مجموعہ سعادت کا عیاں ہوتا ہے رنگ الفاظ سے حسن عقیدت کا
گل تر حرف حرف اس کا گویا ہے باغ حیات کا یہ رتنوں کی غزل ہے یا کوئی گلہ نہ جنت کا
ہیں جس پر فرمہ سبحان فردوس بریں صدقے



مثنوی کے عنوان ذکر حال مسجید داخل کتاب

مدنیۃ الرسول مصنفہ ۱۲۲۱ھ

خامہ کو نہ کیوں ہو اس قدر ناز ہے عزت و القلم سے ممتاز
اس پر مایسٹرون بھی واہ ماشار اللہ و بارک اللہ
قرآن میں اس کی یہ قسم ہے جو خالق لوح و القلم ہے

کیا ہو تحریر اس کی توصیف
 دی ہیں اُسے حق نے دوزبانیں
 ذکر اللہ و مصطفیٰ ہو
 عرش و کرسی سے ہے مکرم
 دست قدرت میں خود ہے محفوظ
 ماکان و مایکون و کن کا
 سب علم و ارادہ اس کے
 گردش اس کی ہے زیب تحریر
 سجدے میں قلم جو سرنگوں ہے
 راہ طاعت نئی نکالی
 سجدے میں جو حق کے سر جھکایا
 ادیان مابقی میں ہر چند
 لیکن اسلام نے بہ تمجید
 سجدے سے عبودیت کی ہے شان
 سجدے سے ہے عز و شان طاعت
 سجدہ ہے بنائے دین و ایمان
 ساجد سب ہیں خدا ہے مسجود
 کیوں کر ہو بیان اس کی تعریف
 تار و شناس سمجھیں جسائیں
 بے نعت نہ حمد کبریا ہو
 خلقت میں یہ اُن سے ہے مکرم
 تحت فرماں ہے لوح محفوظ
 اللہ نے اس کو علم بخشا
 اس پر ہوئے مشکشف کما ہی
 آواز صریح - حسن تقریر
 یہ جو ہر امر کاف و نون ہے
 طرح سجدہ اسی نے ڈالی
 یہ مرتبہ عظیم پایا
 سجدے کے نہ اہل دیں تھے پابند
 سجدے کی نماز میں کی تاکید
 سجدہ واجب ہے بہر جن
 سجدہ ہے دراصل جان طاعت
 سجدہ ہے فخر جن و انساں
 ہم عبد ہیں اور رب ہے معبود

جو پیش خدا ہے سرگتندہ
 سجدے سے ہے برہ مند ساجد
 سجدہ ہے وجہ سرفرازی
 مسجد ہے نام جائے سجدہ
 سجدے سے ہے استفاق مسجد
 مسجد کی ہے ایسی شان و عزت
 معبد ٹھہرا مکان معبود
 اعلیٰ میں وہ مسجدوں میں اقسام
 کعبہ سے حجاز روکش طور
 بانی اک کے خلیل یزواں
 دونوں یہ پیغمبران برحق
 دونوں یہ معساجد اعظم
 کفار کے قبضہ میں جو آئے
 بت خانہ بنایا بدعتیں کیں
 کفر و الحاد بڑھ چکا جب
 چمکائے میں حق کا وہ نور
 معبود ہوئے رسول امجد
 مقبول الہ ہے وہ بندہ
 سجدے سے ہے سر بلند ساجد
 سجدے سے ہیں سرخرو نمازی
 جائے سجدہ برائے سجدہ
 سجدے سے ہے زیب طاق مسجد
 کتنا ہے گھر اپنا رب عزت
 سبحان اللہ شان معبود
 اقصیٰ و حرام جن کے ہیں نام
 بیت المقدس سے شام مشہور
 اور ایک کے حضرت سلیمان
 تھے راہ نمائے طاعت حق
 پیش خالق رہے مکرّم
 کیا کیا نہ وہ اس میں رنگ لائے
 سمجھے باطل کو حق وہ بیدیں
 پھر جوش میں آئی رحمت رب
 جس سے ہوئی ظلمت جہاں نور
 سرگرداں انبیاء محمد

مخدوم و مطاع خلق و عالم
سیار مقام قاب قوسین
لولاک لما خلقت الافلاک
امر صلوا علیہ وسلم
ایذا دیتے تھے شہ کو بد ذات
تھے دشمن جاں ہزاروں کفار
اس پر بھی جنائیں ستے تھے آپ
اُس دم ہوا حکم حضرت رب
لطف تائید حق اُٹھاؤ
واجب سمجھے چلے پیہر
لیکن نہ رسول پاک ٹھہرے
پر دہی بنے حضور ذی جاہ
نازل ہوئی گویا حق کی رحمت
بڑھ بڑھ سب نے بچھائیں آنکھیں
تھے نور میں مہر دہہ سے بالا
وہ تھا کہ تھے لوٹ کبک ہسار
پاؤں وہ زمین اوج افلاک

محبوب خدا نبی اکرم
فخر دو جہاں و شاہ کونین
مفہوم حدیث قدسی پاک
جس کے حق میں ہوا مسلم
تبلیغ امر دیں میں ہیسات
لائے ایماں کچھ نکو کار
گو کلمہ حق ہی کہتے تھے آپ
آمادہ قتل جب ہوئے سب
مکہ چھوڑو - مدینہ جاؤ
تعمیل حکم رب اکبر
گو حب وطن نے پاؤں پکڑے
دشت غربت کی شب کو لی راہ
طیبہ میں جو آئے کر کے ہجرت
انصار نے فرش رہ کی آنکھیں
نقش قدم رسول والا
انداز خرام و حسن رفتار
جس سمت گزرتے شاہ لولاک

رکھتے تھے دھوپ میں جہاں پاؤں
 سایہ قد پاک کا کساں تھا
 آیا نہ نظر وہ سایہ پاک
 تھے ظل الہ آپ حضرت
 آخر وہ ہائے اوج و رفعت
 جس جا دو ہفتہ آ کے ٹھہرا
 وہ معبد اولین اسلام
 تقویٰ پر اساس اس کی ڈالی
 وہ قبلہ و کعبہ معظمہ
 بتا بنا خود اس بنا کا
 جتنے تھے مہاجر اور انصار
 لاتے تھے چوب و گل اٹھا کر
 مسجد تیار ہو گئی جب
 سب سے پہلے نماز اسلام
 غالب تھا جو ذوق و شوق طاعت
 چندے گزرے بنجیر و خوبی
 تھا ایک ابو عامر خطا کار
 طوبی کرتا تھا اُس جگہ چھاؤں
 وہ پردہ لوز میں نہاں تھا
 ہر چند زمین اڑایا کی خاک
 تھا سایہ سایہ عین دقت
 شاہنشاہ عالم نبوت
 چاہا بنے گھر یہاں خدا کا
 جس کا ہے مسجد قبا نام
 معمار تھا دو جہاں کا والی
 محبوب خدا رسول اکرم
 کیا خوب بنایا گھر خدا کا
 تعمیر میں دل سے تھے مددگار
 مصروف کار تھے بیمبر
 و شاد ہوا وہ خاصہ رب
 پائی بے خوف اسی میں انجام
 ہوتی تھی نماز باجماعت
 نکلی نئی پھر یہ راہ شر کی
 حاسد کم ہیں شہر یہ مکار

تھا دل سے منافق اور کافر
تازہ مسجد کی نیو ڈالی
اہل ایمان میں کر دے بیدا
اس مکر سے ہو محل طاعت
پہونچا نہ ضرار سے ضرر کچھ
اُس پر تھی خدا کی حب نوازش
ہو جلد ضرار کی تباہی
ابدا سے ہمیشگی کی تنبیہ
چاہا حضرت نے دفع ہو شر
ڈھائی گئی وہ بنائے فاسد
اللہ ہے خود میان تہان
ما قبل علی و لفظ تقویٰ
تھا واجب الاتباع اوعان
کرنے لگے طاہرین و طیب
روز افزوں دین کی تھی طاعت
کرتے تھے عبادت آپ پر دین
جو دن تھا یوم بھیت اللہ

مداح رسول تھا بہ ظاہر
اس نے رہ خدع یہ نکالی
نقصان و کفر و نفرت تا
چاہا کہ گھٹے قبا کی عزت
افسوں نہ ہوا یہ کار گر کچھ
کیا چلتی منافقوں کی سازش
پھر یہ ہوئی مسرخی اتھی
تاکید تھی لا تقم فیہ
جبریل سے یہ پیام سن کر
بگڑی کو بنا سکے نہ حاسد
اس مسجد پاک کا ثنا خواں
ارشاد المسجد المسس کا
من اول یوم اتی کا فرمان
تعمیل ان تقوم فیہ اب
اسلام نے پکڑی خوب قوت
بیت المقدس کے سمت لیکن
بعد از یک سال و نیم یکروز

اصحاب تھے شامل جماعت
 دور کعتیں رہ گئی تھیں باقی
 قبضہ سوے کعبہ کر دو تبدیل
 ازبس تھی لازمی و فوری
 آباد ہو گئے پیمبر
 پھر کر سوئے کعبہ وہ ادا کیں
 یہ کہہ کے کیا انھیں بھی قایل
 جو حکم ہو اُس کا وہ بجا ہے
 شہر اذو قبلتین بھی نام
 قاصر ہے صفت میں زور تقریر
 اس درجہ تھا اس کا پاس عزت
 ہاں فاصلہ ڈیڑھ کوں کا ہے
 معمول رہا یہ زندگی بھر
 دونوں قبضہ کی رہ نما ہے
 ارشاد حبیب کبریا ہے
 اک عمر کا ہے ثواب پانا
 فیصلہ ہے افضل المساجد

پڑھتے تھے نماز ظہر حضرت
 آدمی ہی نماز ابھی ہوئی تھی
 نازل ہوئی وحی رب بہ تعجیل
 تمیل قول و جھلک کی
 تاخیر و درنگ تھی نہ بہتر
 باقی جو رکعتیں رہی تھیں
 قول سفہاء تھا جو باطل
 مشرق و مغرب خدا ہی کا ہے
 مسجد کا ہوا جو نیک انجام
 کس طرح ہو وح اس کی تحریر
 اس سے رسول کو محبت
 خارج از شہر گو قبا ہے
 ہر ہفتہ نماز پڑھتے آکر
 یکتا اس وصف میں قبا ہے
 وارد یہ حدیث میں ہوا ہے
 دور کعتیں اس میں پڑھتے آنا
 بیشک ہے یہ اثرن المعابد

تعریف اس کی شہسپر کرنا دریا کو کوزے میں ہے بھرنا
 قلم الفقرا نیک آئیں مشہور ملک محمد الدین
 مومن دیندار پارسا ہیں صوفی کے مدیر با صفا ہیں
 فرماشی ہے یہ نظم اُن کی تمہیل امر اس لئے کی
 آزر دُن خاطر احبا
 کفرست این در طریقت ما

ثنوی ندمت جوانی و حرمت پیری

ارنٹل کا نفرش الہ آباد

کالا ترا سنہ ہوا جوانی داغی کی تو نے زندگانی
 جب تک ترا زور تھا سیہ کار کرتی رہی رات دن گنگار
 بدکاریوں کا سبق پڑھایا چسکائے ناب کا دلایا
 دن بھر بھڑواتی تھی سیہ مست رکھتی تھی شب کو جام دوست
 رندوں کے جھگٹے میں لائی توڑا سب زور پارسانی
 آسیب بلا بنی رہی ، تو پیروں کے سایہ میں اڑی تو
 جلوہ رخ خوب کا دکھا کر دیوانہ پیروں کا بنا کر

گراہی کا راستہ دکھایا
 تھا صحبت بد میں کام تیرا
 شیشے کی پری تھی تیری محبوب
 مینا سے غرض تھی جام سے کام
 گو ایک ہی شب کی میھاں تھی
 تھی رہزن راہ دین وایماں
 بٹی اس طرح کی پڑھائی
 روزہ چھوٹا نسا ز چھوٹی
 کردم ز شراب ناب تو بہ
 دیوانی ہے بس کہ نوجوانی
 صد شکر کہ تو نے ساتھ چھوڑا
 اب میں ہوں اور میری پیری
 گزرے وہ سیاہ کاری کے دن
 حاصل ہوئی بائے روسفیدی
 بہتر ہے شباب سے بڑھاپا
 پیری کا یہ صنعت و ناتوانی
 غفلت کے پردوں کو ہٹا کر
 گلیوں میں رات بھر پھرایا
 رسوائیوں میں کھانا نام تیرا
 طائب تو دخت رز تھی مطلوب
 بس تجھ کو کھالپنے کام سے کام
 پھر بھی مجھ کو عذاب جاں تھی
 کھاتیرا معین کار شیطاں
 اللہ کی یاد تک بھلائی
 توبہ بھی بار بار ٹوٹی
 وز کردہ ناصواب توبہ
 قدر عصمت نہ اس سے جانی
 بہتر ہوا مجھ سے منہ جو موڑا
 جو آئی ہے بہر دست گیری
 اتر سر سے پڑھا ہوا جن
 دھویا گیا داغ ناامیدی
 مار بگا یہ فوج غم پہ چھا پا
 افضل ہے ز قوت جوانی
 دکھلائیگی نیک و خوب منظر

دکھلائیگی راہ راستی کی یہ ٹیڑھ نکالے گی کجی کی
 آاد میری باتمیز پیری اچھی پیری عزیز پیری
 مشتاق و منتظر تھا کب سے میں مانگ رہا تھا تجھ کو رب سے
 صد تے تجھ پر سے سو جوانی قربان ہزار نوجوانی
 کب مثل شباب بے وفا ہے عاجل ہے نہ تو گریزِ پاہے
 دے گی تا عمر ساتھ میرا چھوڑ لی کبھی نہ ہاتھ میرا
 سچی ہے پاکباز ہے تو اب مولس دلوں پہ تو
 تیری عصمت ہے مجھ کو معلوم بچوں کی طرح ہے تو بھی معلوم
 کھو دیتی ہے عیب و نقص خامی بختہ کاری میں تو ہے نامی
 کر دیتی ہے بوڑھوں کو خرد مند آویزہ گوش ہے تری پند
 ہو جاتے ہیں تجھ سے بیر دانا کر دیتی ہے ضعف میں توانا
 دم تیرا بھر دے نہ کیوں میں ہر دم تو ہی تو ہے اب رفیق و ہم دم
 سب عمر کے مرحلے ہوئے ٹے اب منزل آخری تو ہی ہے
 کٹ جائیگی راہِ محب دل خواہ انشاء اللہ انشاء اللہ
 یہ پیچڑ جسم جو ہے در بند ہے طائر روح ہمیں پر بند
 توقید حیات سے چھڑا کر آزادی کے بختے گی اُسے پر
 دیکھ گلا گشن بننا پھر پائے گا اپنا آشیاں پھر

طوبیٰ کی چھاؤں وہ گھنیری مرغ سدرہ کی ہمصنیری
 وہ سیر بہار جاودانی جاں بخش وجود زندگانی
 حاصل ہوگی تری بدولت مرنے پہ سب کی خواب راحت
 اب میری یہ آخری دعا ہے تجھ سے لے پیری التجا ہے
 پیونچا دے مجھ کو تابہ مدفن اصلی تو وہی ہے میرا شکن

چھوٹے تجھ سے نہ ساتھ میرا

کا فور کفن ہو رنگ تیرا

تصنیف مسمطہ در تہنیت تاجپوشی و تخت نشینی حضور مصطفیٰ علیہ السلام
 بمقام دہلی در صنعت تو شیخ کا زمانہ نامی اسم گرامی علی حضرت شہنشاہ معظم

معنون شدہ و این مصرع ذیل کہ جامی تیار و ساج حلوس نام است

برمی آید و نیز صانع دیگر کہ بر خاطر اہل بصیرت مخفی نامند

”امیر آفت اندیا جاج دی نفتہ تاجدار“

۱۔ آئی نئی ہے ایکے بار گلشن ہند میں بہار منت و شکر کردگار و در زباں ہے بار بار

پہ پیتے ہیں پھول بادہ نوار مست طرب میں گسار رخت زمر دین نگار پہننے ہیں رخت و کوہ سار

۲۔ راز نمونہ آشکار دیکھئے رنگ بہرہ زار

۱۔ ایسی بہار جانفزا ایسی ہوائے دلکش
 ۱۔ اس سے زیادہ ہوگا کیا موسمی لطف کا مزا
 فرحت و انبساط کا کیوں بڑھائے مرتبان
 ناز کی چال سے صبا چلتی ہے کیا البصدا ان
 ڈ ڈالیاں گل کی واہ واہ ہتی ہیں کیسی بار بار

یہ یاس اسید ہو گئی۔ کھل گئی دل کی بھی کلی
 آس بندھی بڑھی خوشی پوری سب زہ ہوئی ۱
 جی کی مراد اب ملی شکر ہے امر لازمی
 ایسی خوشی کبھی تھی جیسی ہے ابکی خوری ۱
 ۱۔ روز کی بیکلی مٹی دامن گل سے نکلے خار

جے جا۔ ۱۔ مراد لا۔ بادہ مشک بو پلا
 دیر نکر شتاب آ وقت کرم ہے ساقیا ۱
 بی بوم سرور آ گیا۔ کیسی فضا ہے جانفزا
 فصل عیم کبریا بندونکے حال پر ہوا ۱
 فرحت و انبساط کا گلے میں گل اب ہزار

تخت و گمین تاج کا مالک وارث آ گیا
 ہند کا بخت جاگ اٹھا اوج حشم سوا ہوا ۱
 تاجور قمر لوا۔ سایہ فضل کبریا
 آپ ہوا کرم نما۔ ہز مجبھی پادشا ۱
 جے جان جہاں جہاں کشا قیصر ہند نامدار

۲۔ داور نیک و داد گر۔ جم حشم و فرید فر
 اوج فزلے تاج سرزینت ذریعہ تخت زر ۱
 ۱۔ رمز شناس و کثر ور۔ عالم علم و با ہنر
 حرف شروع و صدر پر رکھ مع ابتداء نظر
 سال و خطاب پر بے دلیل اس سے کر شمار

گوہر بیہ عطا۔ جو ہر معدن سنا
 بحر نوال و فیض کا در یتیم و بے بہا
 مہر سپہر اعتلا ماہ سمائے ارتقا
 خاصہ لطف کبریا خلق میں ناب خدا

امپیر آف انڈیا جارج دی ففٹھ تھ امپدار ۱۹۱۱ء
 امپرس کوئن میری۔ بانوے شہر یار کی شاہ کے ساتھ ہمیں ہند میں جلوہ گسٹری
 صرف ہے ذرہ پروری خاص شفق سہی شکر ہے پوری ہو گئی لوگوں کی خواہش دلی
 آیا وہ روز فرخی جب کا تھا کب انتظار

امپرس اور امپیر۔ دونوں یہاں میں جلوہ گر ایک ہے شمس اک قمر بچ شرف ہے تہر ز
 کیوں نہواہل ہند پر مہر و کرم کی یہ نظر شفقت ماور و پدر ہے برکت پئے بسر

رحمت حق ہے سر بسر حسن سلوک شہر یار
 دہلی میں آ کے تاج پوش جو ہوا شاہ حق نیوش حرمت سینی کا جوش کہتے ہیں اسکو اہل ہوش
 حلقہ بندگی بگوش بار عبودیت بدوش راہ وفا میں تحت گوش کہتے ہیں اسکو سرفروش
 بے غم و فکر مائے ونوش جمع ہیں سب یہاں اشار

دور ہے غم و تعب مشکیا رنج تاب و تب رشک گرے بڑن اب ہند بھی تو کیا غیب
 دونوں جگہ ہے فضل بایک ہی شے ہے شوق و لب اہل فرنگ ہند سب صبح و سار و شب
 ہو کے قرین صد طرب کرتے ہیں شکر کردگار

نظم شیراز ہنر اس ہوئی ہے پردہ ر رحمت شاہ مجر و بر اس میں رقم ہے سر بسر
 حاصل کاوش جگر ہے یہ دعائے مختصر امپرس اینڈ امپرسے لولا ننگ فار اور
 دونوں کا یہ شکوہ و فرح رکھے صدین قرا

قصیدہ تاریخی سال جلوسی حضور اعلیٰ حضرت فیہ ہندوستان حضرت جابر بنخیم خلد اسد ملکہ

حواس و ہوش کیوں باقی کے ہیں گم
 کہو کچھ منہ سے بولے سر سے کھیلے
 نہیں یہ بے رخی رندوں سے ابھی
 گھٹا کا کام لے زلف سیہ سے
 بجھائے آج تو میخاروں کی پیاس
 شراب فیض کی گنگا بہائے
 یہی ہے اقتضا دریا دلی کا
 پلاے جامِ راحِ روحِ پرور
 لب ساغرِ مسیحائی دکھائے
 پلاوے زاپدوں کو آتشِ تر
 خوشی کا روز ہے غفار ہے رب
 نہیں اندیشہ عقبہ کا موقع
 خیالِ روزِ فردا آج کیوں ہو
 نہیں معلوم کیوں ہے آج گم صم
 خموشی چھوڑے ہے وقتِ تکلم
 تغافل ہے ستم جائے ترحم
 ہنسے چپکائے اب برقِ تبسم
 لبالب کرے سب پیانہ و خم
 نظر آجائے میخانہ میں قلم
 کہ بجز جو د میں اب ہو تلاطم
 کرے مردہ دلوں پر اب ترحم
 صدائے قلقلِ مینا ہو قمِ قم
 جلاوے آگ سے انبارِ ہیزم
 خیالِ خوفِ عصیاں آج سے گم
 یہ قبل از وقت بے جا ہے تو ہم
 کریں کاہے کو فکرِ ماتقدم

اسی سے رکھتے ہیں چشم تر ہم
 وہ واقف ہیں جو پہن فی ہوش مردم
 پری کا صاف ہوتا ہے تو ہم
 یہی ہے خلد میں وجہ تنعم
 اگر پیتے اسے کھاتے نہ گندم
 شراب ناب اگر ہو ہفت قلزم
 تو اس دہوش ہوں کس واسطے کم
 نہیں پروائے طوفان و تلاطم
 بھلا بہکائے تو غول تو ہم
 بنے گا گنبد مدفن یہی خم
 نہیں ہیں ہوش میں آج لینے مردم
 مہیا سب ہیں سامان تنعم
 شراب سرخ سے لبریز ہیں خم
 عنادل سب ہیں سرگرم تر ہم
 تو کیسی داد خواہی کیا نظم
 نہیں کچھ بھی اسیری کا تو ہم
 اٹھائے جوش مستی میں سردم

مے آشاموں کو رحمت کی ہے بس آس
 سرور بادہ کی کیفیتوں سے
 نظر شیشے میں ہے بنت العنب پر
 یہ اعلیٰ تر ہے حق کی نعمتوں میں
 نکالے جاتے جنت سے نہ آدم
 نہ اک قطرہ بھی دریا نوش چھوڑیں
 نہیں اندیشہ سیلاب بادہ
 سفینہ نوح کا ہے کشتی مے
 ہمارا رہنا پیر معناں ہے
 نہ مر کر بھی اٹھیں گے میکدے سے
 رفیق غری سے سب ہیں سرمست
 فراہم سب ہیں اسباب تعیش
 بطرے پیتی ہے خون کبوتر
 طیور بارغ میں مصروف نعمہ
 نہ وجب خطرہ صیاد و گلچیں
 بھی آزاد ہیں احساں گلشن
 ہر اک سونا چتے پھرتے ہیں طاؤس

لگاتے قہقہے ہیں کبک کہسار
 تندو اس شان سے چلتے ہیں تن کر
 بنی ہے آج ایذا آپ راحت
 نہیں کانٹوں کی نوکوں میں خلتاب
 ہزار خندہ گل دیدنی ہے
 نئے سرے بسی ہے آج دلی
 دکھایا حق نے روز شادمانی
 حضور امپرس اور امپرس کا
 جلوں موکب گیتی ستاں نے
 سواہی میں ہے رہوار صبا دم
 سمندا کی شوخیوں سے
 خوشی تابہوشی کا ہے یہ زور
 یہ خاک زیر پاے شہ کی ہے قدر
 بڑھی ہے شان دربار مغل
 کس اونچا ہے اتنا بارگہ کا
 جویر و پیرنیاں کے ہیں جویرے
 وہ پہ سامان بزم تاج پوشی
 بنسے پڑتے ہیں سب کیسا تبسم
 خرد محشر خرامی کی بھی ہے گم
 حساب نوش میں ہے نیش کژدم
 ہیں نرمی میں سرتار بریشم
 چمن میں کرتی ہیں کلیاں تبسم
 ہر اک اقلیم کے ہیں جمع مردم
 شب غم کٹ گئی ظلمت ہوئی گم
 ہر اک پر خسروانہ ہے ترجم
 حواس پیر گردوں کر دئے گم
 دم جولاں اداس ہے چنور دم
 پس جاتی ہے بجلی بھی تر سُم
 کہ بحر خرمی میں ہے تلاطم
 لئے جاتے ہیں سب بہر تبسم
 ہے صرف فرش رہ دیا و قاتم
 سر گردوں سے ہے خوف تصادم
 رگ جان اُن میں ہے تار بریشم
 کہ نظارے سے جس کے قلم ہو گم

لگاتے قہقہے ہیں کبک کہسار
 تندو اس شان سے چلتے ہیں تن کر
 بنی ہے آج ایذا آپ راحت
 نہیں کانٹوں کی نوکوں میں خلتاب
 ہزار خندہ گل دیدنی ہے
 نئے سرے بسی ہے آج دلی
 دکھایا حق نے روز شادمانی
 حضور امپرس اور امپرس کا
 جلوں موکب گیتی ستاں نے
 سواہی میں ہے رہوار صبا دم
 سمندا کی شوخیوں سے
 خوشی تابہوشی کا ہے یہ زور
 یہ خاک زیر پاے شہ کی ہے قدر
 بڑھی ہے شان دربار مغل
 کس اونچا ہے اتنا بارگہ کا
 جویر و پیرنیاں کے ہیں جویرے
 وہ پہ سامان بزم تاج پوشی

سریسلطنت پر جلوہ گر ہیں
جمال شاہ و شاہنشاہ با نوا
گلیم ہند شام ہند اب سے
ترا مستقبل اچھا ہوگا اے ہند
خدا کے فضل سے پھر ہاتھ آئی
مبارک ہو یہ جشن تاج پوشی
نزل رحمت حق ہو داماد م
شہریار لکھ پئے سال جلوسی
سمجھ لیں ساعت و تیانخ و مہ بھی

مہ و نحر اور درباری ہیں انجم
ہوا ہے نور بخش چشم مردم
عجب کیا پائے رنگ صبح فاقم
یہ ہیں سامان حفظ مانت قدم
وہ دولت ہو گئی تھی پہلے جو کم
رہیں خوش راجہ پر جہ اور ہم تم
رہے افضال ایزد کا تراکم
جلوس اعلیٰ حضرت جارج پنجم
حروف سال کو گن لیں جو مردم

در تقریب خیر مقدم حضور ہزار عالیجناب سترمیسٹن گورنر

بہادر صوبہ متحدہ۔ بمقام جوئی پورہ۔ فروری ۱۲۸۵ھ

حضور ہزار۔ آفتاب اوج کرم
ماریو حاکم اعلیٰ یوپی اینڈ اودھ
جناب والا سترمیسٹن افسر ملک
زہے نصیب کہ حاضر حضور میں ہو کر

نشان رحمت باری سبحان فیض اتم
ہمارے صوبہ کے فرماں روا میسادم
کہ لفتنٹ گورنر لقب ہے جنکا علم
ورود خیر مقدم میں کتے ہیں ویکم

ہے یہ بھی بندہ نوازی حضور دالا کی
 حضور اس میں رعیت نوازیوں کی ہے شان
 خدا کرے کہ نہ آثار قحط ہوں ظاہر
 بہت حضور کی آمد سے شاد ہیں ہم لوگ
 نہیں ہے وقت بھی حداد بھی مانع ہے
 مگر یقین دلانا حضور کو ہے یہ فرض
 یہاں ہمارے کلام پر جولے سی کر ہیں
 دعائے دولت و اقبال نہر عیسیٰ میں
 یہاں نزاع نہیں ہندو و مسلمان میں
 یہی وجہ کہ سب کی زبان یہ کہتے ہیں آج
 یہاں جولائے ہیں تشریف ابجاہ و شتم
 مبارک آپ کا ہو جو پور میں مقدم
 دلوں سے رفع گرائی حبس کا ہو اہم
 زرا بھی اس میں خوشامد نہیں خدا کی قسم
 کہ بڑھتے پاس نہ کچھ شوخی زبان قلم
 کمال امن سے ہملوگ ہیں خوش و خرم
 انھیں کے حسن حکومت سے مطمئن ہیں ہم
 غلو ص قلب سے سرفراز ہتے ہیں ہم
 کسی طرح کی خصومت کوئی نہیں ہام
 سر نکھوں پر ہیں ہمارے حضور کے قدم

ہمارے اوج سعادت نہ ام ما افتاد

جو ایں زماں گزرت بر مقام ما افتاد

قصیدہ مدحیہ تقریب خیر مقدم حضور دی کی زبیل می سی بلی

سینئر ممبر بورڈ آف ریونیو ممالک متحدہ آگرہ و اودھ

بموقع افتتاح بلی ہسپتال محلی شہر ۲۴ مارچ ۱۹۱۲ء

روزہ و شگفتہ نش میں ہے گیند فیروزہ خام آسمان و چرخ گرداں سے اسی سے اسکا نام

ایک ہی حالت سے سیاری میں یہ صبح شام
یہ کہیں دم بھر ٹھہر کر کر نہیں سکتا مقام
ہے اسی کے دور کی کیفیتوں میں دور جام
سانرے نے اسی سے پایا ہے کتاب نام
دونوں کی ترکیب ہیئت میں ہے کیا شبینام
کیوں فلک کی طرح میخانہ نہ ہو عالی مقام
دیکھتے ہیں آج آنکھوں سے جسے سب غلام
جسکی رسم اقتتاجی کا یہ سب ہے استقام
آبکاری سے ملقب تھی جو ماہین انام
ٹھیک کہتے ہیں نثر لب ناب کو دار و عوام
اور تاثیر دوا میں ہے شفا کا التزام
اتحاد منوی سے ہے ہم کیسا التیام
پر یہ بنیاد جدیدہ اسکی ہے قائم مقام
مل گیا خوبی قسمت سے عروج اجلنام
وقت آجاتا ہے تو سب ٹھیک ہو جاتا ہے کلام
اس بنائے خیر کو یارب ہمیشہ ہوتیام
اس عمارت کا ہے سبلی ہا پٹیل خوب نام

ایک صورت سے پھر کرتا ہے یہ ٹھوں پھر
گھومنا قسمت میں اسکی ہے ازل سے تابہ
انقلاب ہر پیر چکر کا اس کے نام ہے
بادہ خالص کو کہتے ہیں جھبی تو آفتاب
خم کی صورت دیکھ لو ہے وضع میناے فلک
ہاں زمین میکہ ہے ہمسرح رخ بریں
پنپے اس دعویٰ کی کتا ہوں سیت روشن دلیل
یہ شفا خانہ ہوا ہے جو نیا تعمیر سب
قبل ازیں تھی خاص اس جا پر بنائے میکہ
اس سے اک اور نکتہ باریک کا عقدہ کھلا
کیونکہ جو معنی دے لکے ہیں ہی دار و سکے ہیں
جائے میخانہ شفا خانہ مرے کی بات ہے
گو خرابی سے سب آثار قدیمہ مٹ گئی
ابح پر اس قطعہ ارضی کی جو تقدیر تھی
بگڑے بن جاتے ہیں جب اللہ کا ہوتا ہے فضل
میکہ جب تھا جہاں ایسے وہاں دار الشفا
اللہ اللہ دیکھئے تو شان ہی کچھ اوس ہے

اس حلیل القدر کے یہ اسم سے موسوم ہے جس کا ثانی دوسرا ہو گا نہ بیشک لاکلام
واہ کیا نام مبارک ہے کہ جس کے لیتے ہی ہوتے ہیں کام و زبان و لب مزے سے شاکام
مطلع

عادل و فیاض و خوش خلق و جواد نیک نام
بورڈ آف ریونیو کے اس سینیئر میں آپ
ہے یہ یونیورسٹی اودھ کے خوش نصیب کی دلیل
بیٹھے ہیں سکے دلوں پر آپ کے اخلاق کے
خلق کی تاثیر سے ہیں بندہ بے دم سب
اس عنایت کا ادا ہو سکر یہ کیا ہے حضور
آکھیں اک مدت سے ہلو گوئی فرشتہ تھیں
لعلہ الحمد آج برائی تمناؤں دلی،
کیا ہوتا تھیر اس تعمیر میں گو کچھ ہوئی
پہلے آئین دختر نیک اختر عالی حضور
اس سے بڑھ کر یا دگاری فخر کی کیا ہوگی اور
کیونوں نمون جان دل سے ہم لوگ نکلی بھی
رسم فوڈیشن وہ تھی جو ہو چکی پہلے ادا
ابتدا جس کام کی دختر کے ہاتھوں سے ہوئی

انریبل ڈی سی بیلی عالم اعلیٰ مقام
ملک میں تا خدمت مالی کا ہوا اعلیٰ نظام
جس نے پایا اس طرح کا حاکم ذی احترام
آپ کے اشتاق کے مداح ہیں بخاص و عام
لطف سے تسخیر کے سب کے دل جتنی ہیں رام
جو قدم رنجہ بریاں فرمایا با صد احترام
مقدم والا کی خاطر قصید دعائیں صبح و شام
آرزو پوری ہوئی۔ بہت شکر حق کا یہ مقام
دیر ہونے سے درستی ہوئی لٹیک کام
سنگ بنیا داسکا رکھا آپ با صد احتشام
باپ کی قائم مقامی میں کیا بیٹی نے کام
ہل بناؤں میں وہ ہیں۔ یہ مقدم انکا نام
اوپننگ سری منی کا آج یہ ہے ہتمام
سن و خوبی سے کیا اب باپ نے اسکو تمام

کچھ موافق ایسے آئے کہ جسکی وجہ سے،
 پست ہمت ہو گئے اس سے سیر ازخنتہ
 مولوی اس اہم حسن ادریں گیا پرتا بگدھ
 کینڈے کے تھیدار دی شرف ایم لم ضیح
 کالا کاکڑ اور پھد ری سے ملی اچھی مدد
 لے سی واکر اسکور جواب کلکٹر ہیں یہاں
 کی اعانت ایسی ہم لوگوں کی کافی طور پر
 ہیں یہاں سید محمد اطہر اب تحصیلدار
 رئیس موعودہ مقامی چندہ کی بقی جو تیار
 اب دئے مختصر پر ختم کرتا ہوں سخن
 شاعران ہند میں مشہور ہوں گو میں شہیر
 لے خدا جب تک ہے یہ دورہ شمس و قمر
 ساعت و اوقات تا ایام میں محسوب ہوں
 نام نامی بلی صاحب کینھیں روشن ہے

ہو سکا جلدی نہ اس تعمیر کا کام انصرام
 سمجھے ترکی ہو گئی اس ترک تازی کسی تمام
 کیں وصول چندہ کی تدبیریں با سعی تمام
 ہو گئے ہم لوگوں کے حامی بن گیا جس کام
 لے صاحب اور راجہ نے کیا خوب پانام
 جن کے لطف خاص کے ممنون ہیں خاص عام
 جن کے حسن نظم سے اس جلسے نے پایا نظام
 جن کی تھوڑی سی توجہ بھی بہت ہی کام
 ہو گئی انکی وصولی غالباً سب دام دام
 تانہ بار سح اقدس ہو کہیں طول کا نام
 لیکن اصلی ہے مر اسید محمد نوح نام
 تاکو اکب کار ہے بزم سماں اژدہ نام
 روز و شب کا تازمانہ میں ہے باقی نظام
 آپ کا جاری ہے دنیا میں ہر نفس علم

ہز مجسٹری جاج پنجم قیصر ہندوستان
 نفل گستر باد بر فرق رعایا بال دوام

علہ فاضل صاحب مولوی سید محمد حسن صاحب رئیس و اسپیشل مجسٹریٹ مجلی شہر

در تہنیت عروسی مسٹر ہوس صاحب کلکتہ جو پورہ ۲۲ نومبر ۱۸۸۲ء

اللہ اللہ کیا بہار جا نفا ہے اندنوں
 رنگ گلزار جہاں ہے کج کل کھل ہوا
 کھل کھلا پڑتی ہیں کھیاں چھیرتی ہے جب نسیم
 بندہ رہی ہے خوش مزاجی کی ہوا گلزار میں
 دل کیسا ذکر بھی افسردگی کا اب نہیں
 گلستان ہند میں تازہ بہار آئی ہے اب
 لطفِ مسلت اب اٹھنے ہیں گلِ مہبل بہم
 زمزمہ سنج مسرت طائرانِ باغ میں
 قیصر ہند و ستار کے آمد آمد کی ہے دھوم
 چار دانگ ہند میں شورِ عرس ہے ہر طرف
 عام اب جنسِ طرب ہے کوچہ و بازار میں
 خوش عایاد و برباد حاکم و محکوم ہیں
 حق نے غشی اس غشی میں اور یہ تازہ خوشی
 آمدِ شہ میں ہوئے نوشہ جلاب لے جی تھیں

روح پرور کیا ہوئے دلکش ہے اندنوں
 خوب نخل آرزو پھولا پھلا ہے اندنوں
 خود ہوئے شوق میں بادِ صبا ہے اندنوں
 واشد دل سے ہر اک گلِ منس ہے اندنوں
 غنچہ خاطر شگفتہ ہو رہا ہے اندنوں
 سبزہ پامال خزاں ہو کر ہر ہے اندنوں
 خار خار ہجر سینوں سے جدا ہے اندنوں
 بیل شوریدہ سر نغمہ سرا ہے اندنوں
 سب دنوں سے خرمی سب کو ہے اندنوں
 ربع مسکون میں ہر اک سو غلغلہ ہے اندنوں
 نقدِ عیش بے بہا بھی کم بہا ہے اندنوں
 حال پر بندوں کے لبِ فصلِ خلیہ اندنوں
 یعنی حاکم ضلع کا دو گھانا ہے اندنوں
 لطف و عیش و شادمانی کلمہ ہے اندنوں

شکر ہے اب ہو گئی پوری تمناؤں دلی ہم نعل ہر دم عروس مدعا ہے اندنوں
 اس عروسی کی خوشی میں ہے یہ بزم تہنیت غل مبارکباد کا ہر سو مچا ہے اندنوں
 ترزباں ہے ہرزباں جوش نئے تبریک سے لعل لب کا خوب طوطی بولتا ہے اندنوں
 مسٹر ہوس و مسٹر ہوس لے خدا تادیر گاہ خوش رہیں پھولیں بس یہ دعا ہے اندنوں

۰ کامیابی کا ہمیشہ ان کے سر سہرا ہے
 اے شہیرا ادرے یہ التجا ہے اندنوں

قطعات تاریخ

قطعہ تاریخ ارتحان لعل میر علی خاں صاحب حمزہ نواب محلہ ارکان علیہ مچلی شہر

سید خوش اعتقاد و پاک دل آں علی خاں یکتا و نو جوان
 مرد و رطا عون در عین شباب پاک مد پاک فت از این جہاں
 من نوشتم بر سر قبرش شہیرا راہ عقبی یافتہ با عز و شہاں ۱۳۲۱ھ

تاریخ وفات ضیفیل بی بی مادر علی محمد محلہ خانزادہ

ام شیخ علی محمد نے باغ فردوس میں جگہ پائی
 پنج شنبہ کا روز قہار و آہ اور ہفت مہ صیام کی تھی

تھا وہ جو طاعون کا مرض مہلک جس نے فرصت نہ جانیری کی تھی:
ہے یہ لوح مزار کی تاریخ قبر پاکیزہ بنی بی ضیف کی ۱۳۲۱ھ

قطعہ تاریخ تعمیر عابد منزل واقع امین آباد لکھنؤ حسب انشاء عابد نجات آباد مالک

ملحق مسجد یہ پاکیزہ عمارت بن گئی شکر پورا حوصلہ عابد علی خاں کا ہوا
پاس مسجد کے جو یہ ایوان عالیشان ہے اس عابد منزل اسکا نام اور اچھا ہوا

مغوی و صوری ہے تاریخ تعمیر شہیر
تیرہ سو بتیس اب سال بنا زیا ہوا ۱۳۳۲ھ

تاریخ لوح مزار برادر مغفور سید حسین مرحوم تحصیلدار

ابن عم ام مسمی خامس آل عبا شیعہ پاک اعتقاد و سید والا نژاد
عازم فردوس چوں شد زین جہان بقا گشت داخل در جوار رحمت رب العباد

بہر سال لوح مرقد زور قم کلک شہیر
تربت آل نبی سید حسین پاک زاد ۱۳۳۲ھ

قطعہ تاریخ انطباع دیوان تاریخ سخن تصنیف حافظ جلیل حسن جلیل حاشین امیر تائی

خوش آمد ہو گئی شایع وہ نظم لا جواب دل فری میں ہے جو مجنونہ رنگیں ادا

کیا بھی ہے زیور الفاظ سے مثل عروس
 حسن معنی کو سواد خط چھپا سکتا نہیں
 بے سواد اسکو اگر دیکھے تو ہو روشن سواد
 اس پر یزاد سخن کو جس نے دیکھا کہ نظر
 اسکے نظارے سے رہ سکتے ہیں قابو میں دل
 دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں بمیسا ختمہ اہل نظر
 ہے وزیر بادشاہ شاعران کا یہ کلام
 یعنی یہ دیوان ہے تصنیف زیبا کمال
 ماہر فن باریاب حضرت شاہ دکن
 تھے شہنشاہ سخن حضرت امیر لکھنوی
 فیض فن آموزی مرحوم کا یہ ہے اثر
 یہ جلیل القدر شاگردوں میں بھی ممتاز تھے
 عزت قائم مقامی امیران کو ملی
 اللہ اللہ کیسی پائی ہے طبیعت نوکر کی
 جس غزل کو دیکھے ہے صاف انداز امیر
 مثل جو استاد کا ہو وہ ہے شاگرد رشید
 ببل ہندوستان تو ہو گیا سدرہ نشیں
 کاغذی پلہیں ہے دیا واطلس سے سوا
 ابر میر فتح رشید تاباں کی نہیں جھپٹی ضیا
 روشنی طبع کے ظاہر ہوں جو مہر بر ملا
 پھیر میں آسیب الفت کے وہ دیوانہ ہوا
 تاب اسکے جلوے کے لائیں اس مہوش کیا
 بارک اللہ بارک اللہ مرحبا بعد مرحبا
 کہتے ہیں تاج سخن اہل سخن اسکو بجا
 اپنے خواجہ تاشوں میں سبکدو چاہے پشوا
 حافظ قرآن و دیندار و جوان و پارسا
 جن کا اہل عاطفت تھا سایہ بال ہما
 شاعر اعلیٰ پیر اک شاگرد ادنیٰ ہو گیا
 حال پر اسکے عنایت رہتی تھی سب کو
 جانشینی کا شرف بھی ہاگئے نام خدا
 کیا زبان صاف ہے کیا شوخی طبع رسا
 شیشہ ہر شعر میں ہے رنگ سنائی بھرا
 یہ صفت جس میں ہو وہ ہے لائق مع و ثنا
 اب دکن میں مہر طرف ان کا پہ طوطی بولتا

کیا بھی ہے زیور الفاظ سے مثل عروس
 حسن معنی کو سواد خط چھپا سکتا نہیں
 بے سواد اسکو اگر دیکھے تو ہو روشن سواد
 اس پر یزاد سخن کو جس نے دیکھا کہ نظر
 اسکے نظارے سے رہ سکتے ہیں قابو میں دل
 دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں بمیسا ختمہ اہل نظر
 ہے وزیر بادشاہ شاعران کا یہ کلام
 یعنی یہ دیوان ہے تصنیف زیبا کمال
 ماہر فن باریاب حضرت شاہ دکن
 تھے شہنشاہ سخن حضرت امیر لکھنوی
 فیض فن آموزی مرحوم کا یہ ہے اثر
 یہ جلیل القدر شاگردوں میں بھی ممتاز تھے
 عزت قائم مقامی امیران کو ملی
 اللہ اللہ کیسی پائی ہے طبیعت نوکر کی
 جس غزل کو دیکھے ہے صاف انداز امیر
 مثل جو استاد کا ہو وہ ہے شاگرد رشید
 ببل ہندوستان تو ہو گیا سدرہ نشیں

سرمہارا جہمیں السلطنت ہے اسے شاد شاہ آصف خوش ہیں ارضی میں زیر و بادشاہ
 کیوں نہ اب غبت رسا پر اپنے انکوناز ہو شاعر دربار سلطانی کا منصب پالیا
 مصرع تاریخ سال طبع اب کئے شہیر
 چھپ گیا دیوان استاد سخن کاواہ وا ۱۳۳۵ھ

تاریخ دیوان نواب زمان بہادر میر مرعوم علی بہادر خلدیرکاس

ظلمت اخفا سے نکلا آفتاب شاعری
 ہر طرف نور مضامین کی جو بھیلی روشنی
 جاگ اٹھی تقدیر شتاؤں کی چونکے خواب
 شہرہ چشموں کی آنکھیں اس سے خیر ہو گئیں
 چشم بد دور ابج پر مہربین نظم ہے
 کیوں اعلیٰ ابج و پایہ ہو سخن کا اس طرح
 اسکی یہ تصنیف عالی ہے جو ہے عالی وقار
 ماہ کائنات فصاحت یوسف مصر سخن
 شاعر شیوہ زبان و ناظم عذب البیاس
 جدا مجھ آپ کے باندے میں تھے فرماں روا
 یہ حرف مجھ کے ہے میں بھی انکا نواب و خاندان
 مطلع مطبع سے جلوہ گر ہوا مہر منیر
 آنکھیں مٹے اٹھے شوق دید میں نہا و پیر
 یک زبان کرنے لگے سب شکر احسان قدیر
 صورت خفاش حاسد ہو گئے سب گوشہ گیر
 رشک کرتا ہے زمین شعر پر چرخ تاثیر
 بول بالا اس کا رہتا ہے جو ہو روشن ضمیر
 ہے امیر ابن امیر ابن امیر ابن امیر
 گوہر تاج بلاغت زیب اوزنگ سر یہ
 یعنی نواب زمان رشک نظیری و ظہیر
 تھا علی اُن کا تخلص تھے وہ تلمیذ منیر
 ہوں منیر خوش بیاں کا میں بھی شاگردائے شہیر

لکھے سنہ عیسوی اس کا سال الطباع
چھپ گیا دیوان والا بے مثال و بنظیر ۱۹۱۱ء

تایخ طبع دیوان سفینہ نوح یقینیت محمد نوح صاحب نوحی

خلیل کعبہ نظم و کتبم طور سخن مسنی آدم ثانی مسیح راحت روح
کلام خویش مدوں نمود و شایع کرد چساں نہ مپس رسانید فن شود ممدوح
ہمہ محاسن شعری بہیں نہیں دیواں کہ ہست نام خدا پاک از عیوب قبوح
سخنواران جہاں مژدیاں بہداشت ز حسن بندش مضمون کشو و باب فتوح
شیر گشت دعا یہ سال طبع لطیف

۱۳۲۹ء دیوان بہ بحر فصاحت یوسفینہ نوح

نہ یہ گم

آں شیر عالم شہرت کہ ہنہام من است یعنی نوح ناردی شیریں زبان و خوشنویان
از تلامیذ فصیح الکلام دہلوی خاص شاگرد رشید بیل ہندستان

مصرعہ تایخ در سال مسیح گو شہیر

زیب تلج طبع شد دیوان نوح خوش بیاں

تایخ واقعہ ارتحال محمد باقر مرحوم

مل گیا خاکیں و چہ چہ خاک سب ز خدمت ہوا بو عطا ہر

سفنہ تھا عمل خیر میں جو جبکی ہمت نہ کبھی تھی قاصر
اب وہ زینت آغوشِ محد سب تھے پھر جس سے عروسی گھر
شاید مرگ کا دل دادہ تھا کھل گیا جاں کے دینے سے یہ سر
یوچھاڑواں نے یہ ہے کون جواں مجھ پہ کچھ حال کر اسکا ظاہر
دلہی سے یہ اہل بولی شہیر حاجی شیخ محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ

قطعہ تاریخ تعمیر بالا خانہ محمد ذکریا ماہر مچھلی شہری

نیچے دکان اوپر ہے مکان کیا اچھا کاشانہ ہے گھر ہے نفع و راحت کا عیش ہاں بیجانہ ہے
ذکرِ توجرت کا لے واعظ افسانہ ہے جبکو وحشت ہو آسمیں سمجھو وہ دیوانہ ہے
سال بنا کئے یہ شہیر خوب یہ بالا خانہ ہے ۱۳۲۸ھ

قطعہ تاریخ ارتحال واقعہ پر از ملاں رحمۃ اللہ علیہ دادہ انتقال بہرِ عز و زرم رحمۃ اللہ علیہ سید عبد اللہ

آہ از مرگ اخوی کو چک قلب زار من حقیر شکست
سالِ این واقعہ جو پرسیدم گفت ہا تف دل شہیر شکست ۱۳۲۹ھ

قطعہ در مادہ ارتحال سید شوکت علی رحمۃ اللہ علیہ خواہر زادہ مصنف

در یغا سید شوکت علی مرد فزوں یک سال عمرش بجز نجاہ

جمادی الاولیٰ ماہ غزاشد
 ازین مہماں سرائے چند روزہ
 غزیناں در غمش سینہ نگاراند
 چہ گویم من حزیں از بہر ساس
 نهم تاریخ دو شنبہ سحر گاہ
 بہ ملک جاودانی یافتہ راہ
 شہیراں واقعہ تخت است و جانگاہ
 بہ مردافسوس خواہی راہ ام آہ ۳۲۹ھ

قطعہ تاریخ ارتحال شیخ ولایت علی مرحوم

شیخ ولایت علی مرحوم آہ
 عازم جنت ہوئے میرٹھ سے وہ
 پاک گناہوں سے ہمیشہ رہے
 خوب شہیراں کا یہ ہے سال فوت
 شہر میں جنگا نہ تھا کوئی جواب
 رو رہے ہیں انکو بھی شیخ و شاپ
 صاف رہا انکا حساب و کتاب
 داخل فردوس بریں بے حساب ۳۳۲ھ
 دیگر

حیف آں شیخ ولایت علی عالی جاہ
 اثرن و امجد و دیندار و سخی و باذل
 ہمنرش شغل و کالت عملش نیک عمل
 چوں بہ میزان عمل نیک دہش سنجیدند
 صاحب فضل و کرم نیکال و حق آگاہ
 سعی می کرد شب و روز پے خیر و رفاه
 پلہ رفت بہ بالا کہ بران بود گناہ
 سر بر آوردہ و ذی قدر و رئیس نامی
 ہر کہ تقریر فصیحش بہ شنیدے گفتے
 خالصہ حضرت رب بندہ مقبول اللہ
 بہ گروہ و کلا چوں بہ نجوم اند ماہ
 بارک اللہ و ہذا ک اللہ و ماشاء اللہ

واسے آں مہر سپر شرف و ابوح جلال ،
 بستہ ، و ہنتم نہ ذی الحجہ و سہ شنبہ بود
 قسم کہ لکھ کہ در ہند بہ ٹٹم نامی ست
 بدیش سوسا ناخت چو شیطان آن دم
 آہ کاخ تہ زد یوان عدالت نرسید
 تاب زین صدمہ اقتاد نہ آورد و مرغ
 بود یکہ عشرہ چو در عمر عزیزش باقی
 شدہ لاؤ نہ بہ ہزار دو صد و شصت چہار
 چل ہاں و زہاں قت و ہماں ماہ آمد
 لکھ لوت رسانید چو پیغام وصال
 پاکت ، مجیمان و زہماں پاک بر رفت
 سہ ہفتہ دس بریل و غزنیال بہ عمش
 و فن کردند تہ خاک بچشم گریاں

رفت وزیر زمیں چوں کہ کھنار بپاہ
 کہ زکا لکھ رو باز در اقتاد براہ
 می نمایند براں سیر امر اگاہ بگاہ
 گفت لا حول ولا قوۃ الا باللہ
 کہ شد این حادثہ رنج فزا و جانکاہ
 کرد آس جبین و رخ و سر دار سفاہ
 مہلتہ داور مگر گفت اجل نیست پناہ
 یوم آدینہ شبانگہ یکم اول ماہ
 از کہیں مرگ مفاجات بر آمد ناگاہ
 خوں بعد شوق بہ او گفت کہ ہاں بسم اللہ
 کلمہ حق بر باں بود کہ انا للہ
 چاک کردند گریبان و ہمہ جامہ سیاہ
 آمد آں وقت کہ گفتند ہمہ طاب ثراہ

روز و ہنگام دمہ و سال رقم کرد شہیر
 ہفتہ ماہ غزا جز و شب شنبہ آہ

تاریخ طبع دیوان اصغر حسین صغیر گورکھپوری

بے مثل و لا جواب کلام صغیر ہے اپنی نظیر آپ جو ہوا سکا کیا جواب
 حسن اشاعت اور بڑھا لطف طبع سے ہر صفحہ ہو گیارخ محبوب کا جواب
 نکلا یہ سال طبع دل سال سے شہیر
 دیوان بے نظیر ہے چھا پا ہے لا جواب ۱۹۱۱ء

قطعات تاریخ وفات مولوی عبدالاحد صاحب شمشاد لکھنؤی مرحوم خلد آشیاں

ازیں سرے جہانے بسوئے دار بقا شناخت ہم فن دہم عصر بن بوقت پگاہ
 گزیدہ شاعر ذی علم یساحب دیواں محقق ہمہ داں و مد فوق آگاہ
 نمودہ کسب فن شعرا ز جناب تعلق ضیاء نور بے ز آفتاب گیر دماہ
 وجہ پاک نہاد و جمیل د خوش بوشاک یہ عمر شیبہ خواں می نمود آں بالئہ
 ز عالمان فرنگی محل جدد و پدرش بہ نکشؤ ہمہ ممتاز و ذی شرف باجہاہ
 بہ اسم مولوی عبدالاحد شہیر جہاں تخلص اش بدہ شمشاد انسب د نخواہ

نوشت سال سیحی شہیر بالتصریح

بی پنج شنبہ ذیقعدہ بست و پنجم ماہ ۱۳۵۱ھ

دیگر نیست نزدیک من زجنت کم
باغ انوار مدفن شمشاد
ستہ عیسوی است درمنقوط
جاے شمشاد شد بہ باغ ارم ۱۹۱۷ء

ایضاً در ہجری

مولوی عبدالاحد شمشاد ہوں زین خاں
روز و شب ان پر نزول رحمت غفار ہو
باغ انوار ان کے مدفن کی جگہ بھی ہے بجا
ملک میں دادا کے پوتا کیوں نہ حصہ دار ہو
ہے یہ تیاریج دعائیہ پے لوج مزار
مقد شمشاد طیب مہبط انوار ہو ۱۳۳۵ھ

دیگر

مہ ذیقعد کی تھی وہ پچیس
پنجشنبہ کا دن تھا غم افزا
ہوئے شمشاد زیب باغ نعیم
دے سکی کچھ نہ مہلت اُنکو قضا
لکھے لوح مزار پر یہ شہیر
قبر شمشاد افصح الفصحی ۱۳۳۵ھ

در تعمیر کمرہ مختصر خود

کمرہ یہ مختصر سا چھت پر
بنوایا شہیر میں نے اچھا
تیاریج بھی فی البدیہہ کمی
بالا خانہ ہے خوب اپنا
۱۳۳۳ھ

تاریخ طبع دیوان اصغر حسین صغیر

دیوان صغیر نکتہ دان است مطبوع طبع ہر جوانے
سال طبعش شہیر گفتم دیوان صغیر نکتہ دانے
تاریخ طبع مسدس جنگی کریا حالات کارزار بس حسب انصاف

طبع شد ایس مسدس جنگی از جناب حمید نیک شیم
از کریا گرفتہ ہر بیتے کردہ ہر شعر خولش با اوفتم
گفت حالات جنگ با تفصیل دزد غا بازی اطالی ہم
عرصہ کارزار شد صفحہ نقشہ حرب گشت زیب رقم
خواست از سن شہیر چوں سانش
ترکناز طرہ اہلس گفتم

قطعیہ تاریخ وفات شمس علی غامد جو کج ح حسب انصاف
درینا تو جوان شمس علی خاں رفت از دنیا غروب افسوس ہر زندگی اش گشت دود و دھون
نہم تاریخ از سوال بود روز و شب دل تحصیلدار شرف علی خاں شد ز غم پر خون
شہیر این سال میلادی نوٹم بر سر قبرش

جوان بد شانزدہ سالہ بمبر و افسوس طاعون
۱۳۲۲ھ

قطعہ تاریخ سال ورود ہزار مذکور ادم اللہ قبائلہ صفہ جلالہ

ہزار جزو تشریف لائے یہاں ہوئی سب کو حاصل نہایت خوشی
ہولے شگفتہ مزاجی چسلی ہوا ہو گئی ساری افسردگی
بنا آج رشک جون پور کلی دلی ہر ایک کے کھل گئی
بشاشت سے خاطر ہے باغ و بہار چلی آتی ہے ہونٹوں پر خود بینی
اسی رنگ کا مختصر مادہ

مئے سال ہے غنیجہ خور می ۱۴۱۲ھ

تاریخ جلوس حضور قیصر ہند جلیج پنجم شہنشاہ ہندوستان

و شاہ انگلینڈ خلد الد ملکہ

جلیج پنجم قیصر ہندوستان شیریں زباں
ساتھ لیکر بادشاہ بگم کو انگلستان سے
شہر دہلی کی بڑھی ہے رونق افزائی سے ریب
ہند بھر میں خوشی کی پیرہی ہے دھوم دھام
بیج سے جسکی حلاوت باب ہیں کام و زباں
ازرہ شفقت ہوا ہے وارد ہندوستان
کار و نیشن یعنی رسم تاج پوشی ہے یہاں
اک سرے سے شاد ہیں سب کو دکن پیرچاں

مصرع اولیٰ ہے ہر سال کافی لے شہیر
جارج پنجم قیصر ہندوستان شہیریں باں ۱۹۱۱ء
دیگر

دہلی میں شاہ خوش مزاج ہو گیا تاج پوشش آج
سال جلوس لکھ شہیر مالک تخت و اوج تاج ۱۹۱۱ء
دیگر

ترتیب نور آگیں۔ حافظہ بایاں سید احمد حسن۔ متوطن جائے زیبا قصبہ محلی شہر
۱۳۳۹ھ ۱۳۳۹ھ ۱۳۳۹ھ

از ایجاد فکر دیگر سید محمد نوح شہیر
۱۳۳۹ھ

یار جانی دوستی جسکی تھی روح روح نوح
حافظ قرآن بایمان و مدوح جساں
جسکو میرے ساتھ تھی یہ محبت ہائے ہائے
پیاری بیٹی پانچ دن پہلے سدھاری غلو
غلق میں اخلاق کی جیسے تھی شہر ہائے ہائے
صدومہ جانناہ مرگ و ختر ایسا تھا عظیم
ایک ہفتہ بھی اجل نے دی مہلت ہائے ہائے
بیخ شنبہ پنجم شعبان ہے یوم دفن آج
کیوں نہوں آنکھوں سے جاری اشک حشر ہائے ہائے
ہر سال نقش لوح قبر کہدو لے شہیر
سید احمد حسن کی ہے یہ تربت ہائے ہائے

۱۳۳۹ھ

قطعات تاریخ در تولد دختر سید محمد ایوب علیہ السلام و خور و دعویٰ بھری

پیارے بیٹے آپ کے ہیں سید ایوب لے شیر دی انھیں خالق نے دختر شکرے چوں کیجئے
 منتہائے آرزو پر آپ فائز ہو گئے شادی مولود کو اب دل سے مقول کیجئے
 پنج ماضی کو بدلے خور می حال سے بہر مستقبل دعائے خیر مکوں کیجئے

سال ہجری چاہئے لکھنا جو صورتی مغوی

تیرہ سو پراور چوالیس افزوں کیجئے ۳۴۳ھ

دیگر

بحمد اللہ مراد ہشت سالہ میری برائی خدا نے دی مرے بیٹے کو بیٹی ثانی بلقیس
 ربیع الثانی - اسلامی ہینہ - روز شنبہ تھا سن ہجری تھا تیرہ سو مزید اسپر تھے چوالیس
 نماز وقت مغرب پڑھنے کا ہنگام نہ کو تھا زمین و آسمان پر خالق اکبر کی تھی تقدیس
 نمازی مسجدوں میں طاعت معبود کرتے تھے فلک پر درس آموز ملک تھے حضرت ادریس
 اسی وقت سعید و نیک میں پیدا ہوئی لڑکی اسیر بند لغت قیدی غم جبکہ تھا ابلیس
 شہیر اس شادی میلاد میں اب معنوی مہوی کہو وہ سال میلادی ہو جس سے نظم کی تاملیں

نکلی بر طرغ آغاز محنت کی ضرورت کیا

نومبر چودھویں تاریخ سن انیس سو پچیس

۱۹۲۵ء

برائے نوح مزار سید اقبال علی بی۔ اے ال ال بی وکیل خلف الصدق

سید نواب علی مرحوم تحصیلدار خواہر زادہ ام

اس جوان تیک کا مرقد یہ ہے دل ساتھ جاو پیر و آل نبی
کھینچ لائی موت مچھلی شہر سے ذیل سرطاں نے آہر جان لی
راس آئی کچھ نہ تدبیر علاج خاک میں امید صحت مل گئی
بیچ شنبہ سولہویں فی الحجہ کو آہ ہو گیا سب ختم لطف زندگی

از سراندوہ ہے یہ سال خوب

زیب تربت سید اقبال علی

۱۳۴۰ھ

قـ ا م شـ د



قطعاتِ تاریخِ انطبائعِ دیوان

نوٹ: ضخامت کے لحاظ سے صرف دو رواشعار ہر تاریخ کے درج کئے گئے ہیں۔

قطعہ تاریخ اشاعتِ دیوان از ناخذ اسخ حضرت نوح ماروی حائشین حضرت فرغ

کیا جناب شہیر کی ہو صفت خاص تلمیذ و یادگار شہیر

سال اتمام چاپئے لے نوح لکھ سخن حبیبی جناب شہیر

من تصنیف شاعر با کمال مولوی متین الدین احمد صائتین مہلی شہری یادگار و فرغ

یہ جناب شہیر کا دیوان دولت لاہور وال ہے لاریب

کیوں نہ تاریخ طبع ہو متین گوہر بے ہوا۔ خزینہ غیب

من تصنیف پندت جگمہن ناتھ رینہ صاحب شوق ڈوٹی کلکٹر تلمیذ جناب شہیر مرحوم

روح عروض و ماہر فن۔ صاحب کمال تھے تاجدار ملک سخن حضرت شہیر

لے شوق لکھ و مہر معہ تاریخ بے درنگ کیا خوب واہ چھپ گیا دیوان بنیظیر

از احمد مختار صاحب بدر پچھلی شہری مختار عدالت دیواریا گورکھپور

لو حضرت شہیر کا دیوان چھپ گیا اب کیوں نہ دل شگفتہ ہو ہر خاص و عام کا
اے بدر لکھد مصرع تایخ سال طبع دیوان ہے یہ شاعر شیریں کلام کا
۱۳۵۲ھ

از سید محمد ظفر پچھلی شہری تلمیذ جناب شہیر مرحوم

ہے یہ دیوان شہیر با کمال دیدہ زیب و دلپسند و بینظیر
فکر سال طبع کی گر ہے ظفر کمدو۔ یہ ہے گلشن نظم شہیر
۱۹۳۵ء

من تصنیف دیوان پنڈت رادھ ناتھ کول صاحب گلشن ربیع الہ آباد

طبع ہوا دیوان شہیر اب بھاگ ہیں جاگے اہل وطن کے
از سر کوشش۔ کمدو گلشن پھول کھلے ہیں باغ سخن کے

۶۱۹۳۶ = ۱۹۱۶ + ۲۰

نتیجہ فکر سید محمد مجتبیٰ صاحب مشہور خلف حضرت شہیر خلد آشیان

لو بہار آئی ہو اسر سبز گلزار سخن بس گیا خوشبوئے گہمائے مضامین چمن
لکھدو یہ مشہور سال طبع دیوان شہیر چھپ گیا بے زحمت اب الہ کا دیوان سخن

۱۳۵۳ھ

نتیجہ فکر سید محمد ایوب صنا خلیف حضرت شہیر خلیاں وکیل بانگ پورٹ دکن

جنت الفردوس میں شاد ماں روح منیر اللہ اللہ شاعری والد جنت مقام
بہر تاریخ طباعت مصرع آخر ہے خوب کچھ چھپے شکر خدا ایوب اللہ کے کلام
۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر مولوی محمد رشید صنا سہیل رئیس مہلی شہر تلمیذ حضرت شہیر مرحوم

حقیقت جو پوچھو حقیقت یہ ہے نہ تھا شاعری میں جواب شہیر
پے سال لکھد و مکرر سہیل چھپا ہے کلام جناب شہیر
۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر منشی محمد اخیل جذبی سیما بی النوری قلم الکوشنی امام جامع مسجد مہمانان

ہے حضرت شہیر کا دیواں یہ لا جواب منظر ہے معرفت کا نہیں امیں شکر نما
جذبی ہوئی جو فکر مجھ سال طبع کی آئی ندائے غیب - چراغ جہاں نما
۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر مہمن جان محمد بن اسمعیل سیٹھ جانی سیما بی کو حینی

یہ خبر رحمت نے پانی از افادات سر دوش نو مرتب ہو گیا دیوان تلمیذ منیر
سر اڑا کر جہل کا لکھد و یہ جانی سال طبع چھپ چکا عرفان بھرا - دیوان مولانا شہیر

نتیجہ فکر مولوی محمد ذکریا صاحب رحمت کو جیتی تلمیذ جناب شیر خلد آشیاء

چھپ کے نو مطبع سے نکلا آج دیوان شہیر
برودہ مشرق سے برآمد ہوا مہر منیر
لکھدے تاریخ طباعت رحمت شیریں
ہو گیا اب طبع با تحفہ دیوان شہیر

۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر مولوی اشتیاق احمد صاحب اشتاق لکے بریلوی تلمیذ جناب شیر خلد آشیاء

چھپ گیا ہے شہیر کا دیوان ساری دنیا میں جسکی شہرت ہے
فکر کیا سال طبع کی مشتاق صاف لکھدو خدا کی قدرت ہے

۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر شیخ واحد علی صاحب عبرت تحصیل تلمیذ جناب شیر خلد آشیاء

چھپ گیا دیوان مولانا شہیر برودہ ظلمت سے نکلا آفتاب
لکھدو عبرت ہر سال طبع اب نام حق دیوان یہ ہے انتخاب

۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر سید نیر حسین صاحب تجلّی شہری تلمیذ جناب رزوکھنوی

برادر خورد تہوش

چھپ کے نکلا شان سے کیا خوبجی ان شہیر اپنی کوشش میں سر دوش خوش ہواں کلامیاب
سال تاریخ اشاعت چھپ لکھدو صفا ہے یہ دیوان شہیر شاعر عالی جناب

۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر زاہد حسین صاحب انصای زاہد محلی شہری تلمیذ جناب شہید خاں

کیا بھلا تعریف مجھ سے ہو سکا دیوان کی
لکھو جو آیا وہ ہے فیضان مولانا شہیر
بہر سال طبع لے زاہد تمھیں کیا فکیر
اب بہتر ہے یہ دیوان مولانا شہیر
۱۳۵۵ھ

نتیجہ فکر سید علی حیدر صاحب حیدر خورش جناب مشہور صاحب

لکھو حیدر بہر سال طبع اب
عیسوی ہجری کا یکجانی حساب
ہے حقیقت میں یہ دیوان شہیر
بے نظیر اعلیٰ تبار و لا جواب
۱۳۵۶ھ

نتیجہ فکر سید ابو جعفر صاحب جعفر نقوی محلی شہری تلمیذ جناب میر جنت نام

چھپ کے مطبع سے جو نکلا ہے کلام یادگار
ہو رہی ہے شاد باغِ خلدیں روحِ شیر
دی ندائے ملت نے جعفر بہر سال طبع اب
لکھو بھی مددِ محبوب کجیا دیوان مولانا شہیر
۱۳۵۷ھ

نتیجہ فکر سید محمد مصطفیٰ صاحب نقوی خیر علف جناب شہیر تلمیذ جناب میر جنت نام

کیا فصاحت کیا بلاغت ہے کتبِ نظم میں
ہے نمونہ شاعری کا شاعر کے دستِ خط
بہر سال طبع دیوان اب بھی لکھو حقیقت
دالِ مرحوم کے اشعار کے کلمے
۱۳۵۸ھ

نتیجہ فکر سید کفایت علی صاحب شیدا مچھلی شہری تلمیذ جناب شہیر

جنت مقام

پائیں اللہ سے محنت کا صلہ اپنی برفش چھپ گیا ہے مرے استاد کا دیوان سخن
بہر تاریخ یہ ہاتھ کی ندائیں آئیں لکھ دے شیدا۔ ہوا دیوان گلستان سخن
۱۳۵۵ھ

نتیجہ فکر سید منصب علی صاحب صبر مچھلی شہری خویش حضرت شہید آشیان

چھپ گیا دیوان سولانا شہیر ہو گیا پورا اک اک ارمان۔ لکھ
بہر تاریخ طباعت صبر اب شکر خالق کا چھپا دیوان۔ لکھ
۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر مولوی محمد کریم صاحب کرم بنارس

ہیں مشہور عالم جناب شہیر کہ حضرت کا شہرہ نہیں ہے کہاں
جو ہے فکر تاریخ تم کو کریم لکھو۔ شہرت فیض نازک بیاں
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر محمد اقبال صاحب اقبال مچھلی شہری تلمیذ حضرت متین

کیوں نہ اس دیوان کو ہو عالم میں وہ حب مصنف کا تخلص ہے شہیر
لکھ دے اقبال یہ تاریخ طبع شہرہ آفاق دیوان بے نظیر
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر سید محمد عثمان صاحب نور مچھلی شہری تلمیذ حضرت متین

نور! عجب ہے یہ دیواں کس سے ہوا سکی توصیف
طبع کی ہاں لکھدے تاریخ گنج بلاغت فکر لطیف
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر عبدالسلام صاحب سلام مچھلی شہری تلمیذ حضرت متین

کیا چمن نظم ہے یہ مرجبا گلشن جنت سے ہے بڑھکڑ پھین
فکر ہے گر طبع کے تاریخ کی لکھدے فقط - واہ بے باغ سخن
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر قاضی جمال الدین صاحب جمال مچھلی شہری تلمیذ حضرت متین

فرد لا کھول میں ہے دیوان شہیر باکمال ماشاء اللہ ماشاء اللہ مرعبا صدمرجبا
فکر سال طبع کی محکمو ہوئی جبے کمال منظر اسرار دل افروز میں نے لکھدیا
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر ملک عابد حسین صاحب عابد مچھلی شہری

ایک لک شعر اسکا ہے دراصل روح شاعری دیدنی ہے واہ وا دیوان مولانا شہیر
بہر تاریخ طباعت لکھدے عابدی جان شاعر اب ہوا دیوان مولانا شہیر
۱۹۳۵ء

نتیجہ فکر مولانا الحاج شاہ ابوالحسن محمد مظفر صاحب حیدری فاضل

غازی پوری تلمیذ جناب شہیر اعلیٰ اللہ مقامہ

ابتداء سے انتہا تک ہے بھر فن عروض سیکھنی ہو شاعری تو چاہئے ایسی کتاب
جوش دل سے لکھ دے تاریخ ہجری حیدری چھپ گیا اب بارے دیوان شہیر مستطاب

۱۳۵۴ھ

نتیجہ فکر جناب سید اختر حسین سرورش خورش و جانشین

حضرت شہیر اعلیٰ اللہ مقامہ

خوب شہرت ہو گئی اچھا تخلص تھا شہیر کر کے دکھلایا جہان شاعری میں اپنا نام
ہے جو صورتی معنوی تاریخ کی فکر کے سرورش لکھ دے شائع ہو گیا تیرا سوچوں میں کلام



آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعد
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
'صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔'

۲۷/۱۲/۲۰۲۵
۵,۲۵

۱۰۰

جامعہ اسلامیہ
اسلام آباد

مجلس شصت و نهم

۶۰۔ خلیفہ بنی ہاشم حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہیں گے کہ میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، وہ میرا پیغام ہے۔

عبدالحق صاحب

[illegible]

عابد ہوگی۔
عابد ہوگی۔
عابد ہوگی۔

جاری نہ ہو سکی

